CHILDREN'S BOOK TRUST · NEW DELHI
ہری اور دوسرے ہاتھی

ہری اور دوسرے ہاتھی

مصنّف : شنکر

مصوّر : پُلک بسواس

مترجم : پریم نرائن

چلڈرن بک ٹرسٹ

قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان

دیباچہ

ہم ہاتھیوں کے بارے میں، ان کی بہت سی حالتوں اور عادتوں کا مطالعہ کر کے، ان کے متعلق بہت سی معلومات حاصل کر سکتے ہیں، مثلاً جب وہ ناخوش ہوں، یا کسی مصیبت میں ہوں، یا ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچی ہو، یا کسی وجہ سے پریشان ہوں تو اس وقت وہ کیا کرتے ہیں۔ جن لوگوں کو ہاتھیوں سے کوئی واسطہ پڑتا ہے، وہ اس لیے اکثر غلطیاں کر بیٹھتے ہیں کہ وہ ہاتھی کے جذبات کو سمجھنے سے قاصر ہوتے ہیں۔

جنوبی ہندستان میں ہاتھیوں کے بارے میں بہت بڑی تعداد میں کہانیاں مشہور ہیں اس کتاب کی چھ کہانیوں کو لکھتے وقت میں نے ان کہانیوں سے بہت واقعات لے لیے ہیں۔ میں نے ان میں یہ دکھلانے کی کوشش کی ہے کہ ہاتھی کیا محسوس کرتے ہیں، کس طرح سوچتے ہیں اور کسی کے ساتھ کس قسم کا سلوک کرتے ہیں۔ اس لیے اس کتاب کی کہانیوں میں ہاتھی وہی کرتے ہوئے دکھلائے گئے ہیں، جو ایک ہاتھی کر سکتا ہے۔

شنکر

فہرست

ہری

ہری بڑے ڈیل ڈول اور بھورے رنگ کا ہاتھی تھا۔ اس کے دانت بہت بڑے تھے۔ اس کا مالک ایک مالدار زمیندار تھا۔ ہری ایک طویل عرصے تک جنگل میں کام کرنے کے بعد اب قصبے میں لوٹ آیا تھا۔

موہن ایک لڑکا تھا جو ہاتھیوں سے بڑا پیار کرتا تھا۔ اسے ان کی کہانیاں سُننے اور پڑھنے کا شوق تھا۔ اس نے ہاتھیوں کی بہت سی تصویریں جمع کی تھیں اور بڑی خوبی کے ساتھ ایک البم میں لگا رکھی تھیں۔ جب بھی وہ سنتا کہ کوئی ہاتھی کسی قریبی جگہ آیا ہوا ہے تو اسے دیکھنے کے لئے فوراً روانہ ہو جاتا۔

جس قصبے میں ہری رہتا تھا موہن اور اس کے ماں باپ بھی وہیں جا کر بس گئے۔ ایک دن جب موہن اسکول جا رہا تھا تو اس نے امیر زمیندار کے باغ میں ہری کو ایک بڑے پیڑ سے زنجیروں میں بندھا ہوا دیکھا۔ وہ رُکا اور ہری کو دیکھنے کے لئے اندر چلا گیا۔ ہری قد و قامت میں ان تمام ہاتھیوں سے بڑا تھا جو اب تک اس کے دیکھنے میں آئے تھے۔ اتنے زبردست ہاتھی کو اس قدر پاس سے دیکھ کر موہن کے سارے جسم میں ایک لہر سی دوڑ گئی۔

اب تو اسکول جاتے وقت موہن روزانہ ہری کو دیکھنے کے لئے باغ میں ٹھہر جاتا۔ ہری نے بھی محسوس کیا کہ یہ لڑکا اس قدر پابندی سے اسے دیکھنے آتا ہے۔ وہ بڑے شوق سے موہن کے آنے کا انتظار کرتا اور اس کے آتے ہی موہن کی طرف دیکھنے لگتا اور اپنے بڑے بڑے کانوں کو ہلا ہلا کر اپنی سونڈ بڑے پیار سے اِدھر اُدھر گھماتا۔ موہن کو ایسا جان پڑتا گویا کہ ہری اس سے دریافت کر رہا ہو "موہن تم اچھے تو ہو؟ کہاں جا رہے ہو؟ مجھے تو تم سے محبت ہو گئی ہے۔ تم ہر روز آنا اور نہانے کے لئے جانے سے پہلے ہی مجھ سے مل لینا۔"

موہن بھی اس انداز سے اپنے ہاتھ کو ہلاتا جیسے کہ وہ کہہ رہا ہو "ہری! تمہیں دیکھ کر تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔ لیکن اب تو میں اسکول جا رہا ہوں۔ کل پھر آؤں گا۔"

موہن دوسرے دن بھی گیا اور اس کے اگلے دن بھی اور یہ سلسلہ یونہی جاری رہا۔

موہن کے گھر کے پاس ہی ایک بہت بڑا مندر تھا اور ہر سال وہاں ایک تیوہار منایا جاتا تھا۔ یہ تیوہار دس روز تک جاری رہتا اور اس میں حصّہ لینے کے لئے بہت سے ہاتھی لائے جاتے۔ ہری ان سب میں سب سے بڑا تھا۔ اس لئے اسے ہی مندر کے جلوس میں سب سے آگے رکھا جاتا۔ یہ سلسلہ کئی سال سے جاری تھا۔ ہری بڑا چالاک ہاتھی تھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ اسے کس وقت کیا کرنا چاہئے اور کہاں جانا ہوگا۔ اس لئے کبھی اسے حکم دینے کی ضرورت پیش نہیں آئی۔ البتہ اس بار مندر کا منتظم ایک نیا آدمی تھا اور اس نے ایک دوسرا بڑا ہاتھی چاتھو جلوس کے لئے منگایا۔

تیوہار شروع ہوا اور سبھی ہاتھی اپنی اپنی جگہ جلوس میں کھڑے کئے گئے۔ نئے مینیجر نے حکم دیا کہ اس بار ہری کی جگہ پر نئے ہاتھی کو سب سے آگے رکھا جائے۔ جب ہری نے دیکھا کہ اس کی جگہ ایک نئے ہاتھی کو دی جا رہی ہے تو اس نے اپنی بڑی بے عزتی محسوس کی۔ غصّے میں بھر کر وہ نئے ہاتھی سے لڑنے پر آمادہ ہوگیا۔ ہری کا مہاوت اپنے ہاتھی کے جذبات کو تاڑ گیا۔ خطرے
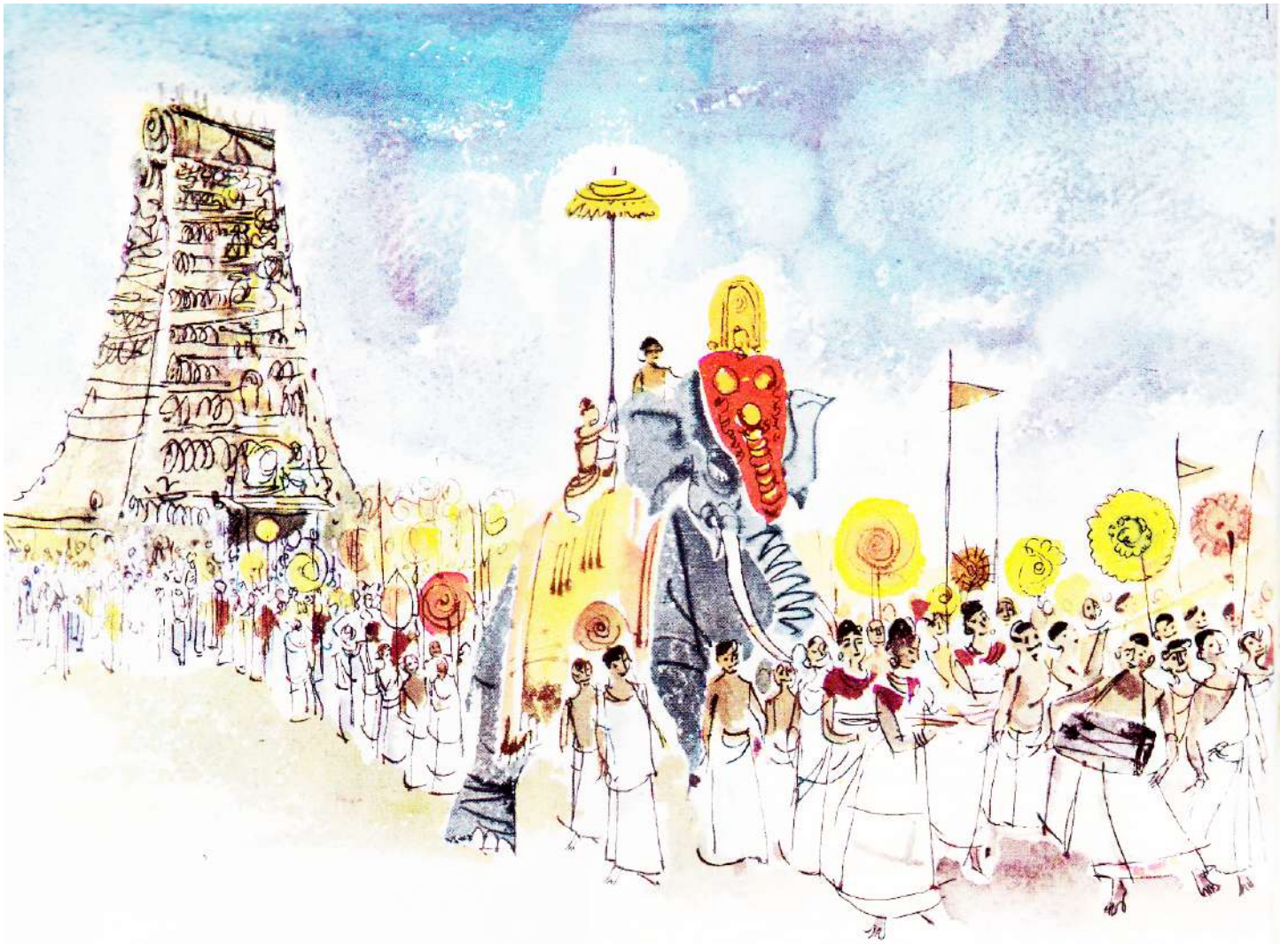
کا اندازہ کرتے ہوئے فوراً ہی اس نے ہری کے اگلے اور پچھلے پیروں میں زنجیریں ڈال دیں تاکہ وہ تیز نہ دوڑ سکے۔ وہ جانتا تھا کہ وہ لاچار ہے۔

جب جلوس ختم ہوا تو ہری کو باغ میں واپس لے آئے اور حسب معمول اس کو پیڑ سے باندھ دیا گیا۔ وہ اب بھی غصّے میں تھا۔ اگلے دن جبکہ موہن اس راستے سے گذرا اسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ ہری نے آج اس کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں دی۔ بار بار موہن بڑے پیار سے اپنے بازوؤں کو گھماتا لیکن ہری اس کی طرف مُڑ کر بھی نہ دیکھتا۔ موہن نے اسے پکارا۔ "ہری۔ ہری۔ میں یہاں ہوں۔" بالآخر ہری نے اس کی طرف توجہ کی اور حسب معمول اس کا سواگت کیا لیکن موہن نے محسوس کیا کہ ہری کی حالت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔ وہ غمگین اور پریشان نظر آتا ہے۔

ہری کی دیکھ بھال کے لئے دو مہاوت تھے۔ وہ صبح کو آئے اور نہلانے کے لئے ہری کو دریا کی طرف لے چلے۔ جونہی وہ ندی کے قریب پہنچے ہری ایک دم رُک گیا۔ وہ بڑی تیزی سے سانس لے رہا تھا۔ جو مہاوت ہری پر سوار تھا
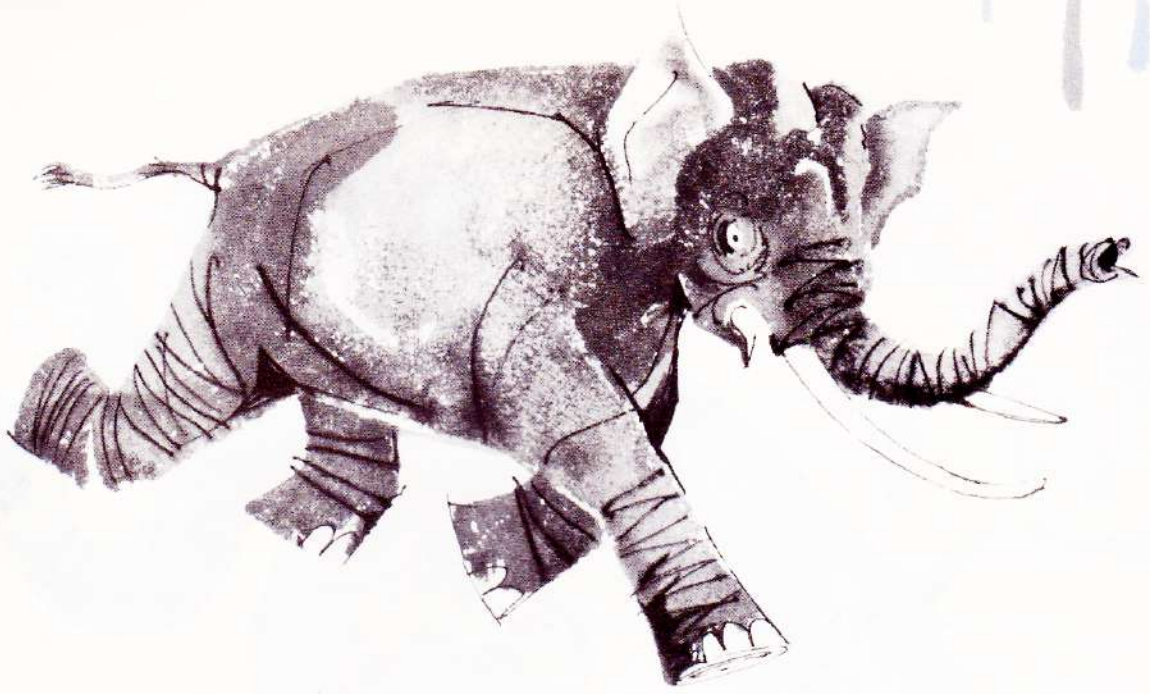
اس نے دیکھا کہ ہری غصّے میں ہے، اس لئے اس نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ معاملہ کیا ہے چاروں طرف نظر دوڑائی۔ اس نے دیکھا کہ دوسرے راستے سے نیا ہاتھی چاکھو بھی دریا کی طرف چلا آرہا ہے۔ ہری کے مہاوت نے خطرہ محسوس کیا کہ دونوں ہاتھی لڑ پڑیں گے۔ اس نے چاکھو کے مہاوت کو آنے والے خطرے سے آگاہ کیا تاکہ وہ اپنے ہاتھی کو ہٹا لے جائے۔

لیکن چاکھو کے مہاوت نے اس تنبیہہ کی پرواہ نہ کی اور اس کا ہاتھی دریا کی جانب بڑھتا ہی رہا۔ تب ہری کے مہاوت نے اپنے ہاتھی کو ہی واپس لے جانے کی کوشش کی۔ مگر ہری نے اس کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کے بجائے چاکھو کی طرف لپکا۔ مہاوت نے بار بار اسے روکنے کی کوشش کی۔ ہری کو اپنے مہاوت پر غصّہ آگیا اور اسے زمین پر گرا دیا۔ اس کے بعد فوراً ہی ہری چاکھو سے بھڑ جانے کو جھپٹا۔ چاکھو کے مہاوت نے اب خطرہ محسوس کیا لیکن اب دیر ہو چکی تھی۔ ہری بالکل قریب آپہنچا تھا۔ مہاوت پھُرتی سے نیچے کود پڑا اور خطرے سے دور بھاگ گیا۔

دونوں زبردست ہاتھی ایک دوسرے سے ملے۔ انہوں نے ایک دوسرے پر پوری طاقت سے حملہ کر دیا جیسے دو پہاڑ ایک دوسرے سے ٹکرا رہے ہوں۔ کوئی شخص ان کے قریب جانے کی ہمت نہیں کر سکتا تھا۔

دونوں مہاوت درختوں پر چڑھ گئے اور چیخ چیخ کر ہاتھیوں کو لڑائی ختم کرنے کا حکم دیتے رہے لیکن لڑائی نہ رُکی بلکہ اور بھی زیادہ خطرناک بن گئی۔ کیونکہ ہر ہاتھی دوسرے کو جان سے مار ڈالنے کی کوشش کر رہا تھا۔
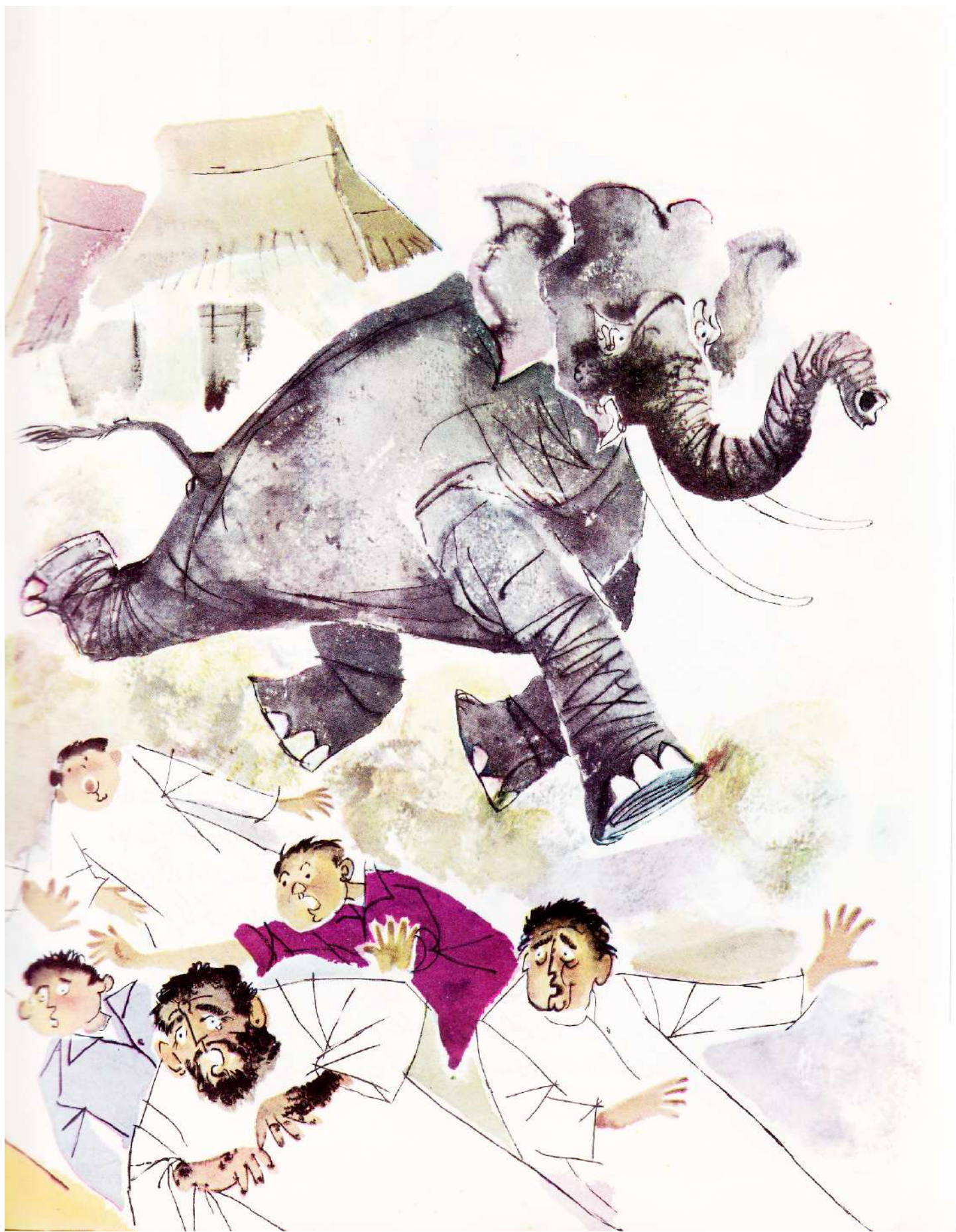
ہری چاکھو کے مقابلے میں کہیں زیادہ ذہین اور ہوشیار تھا۔ وہ ذرا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہوگیا اور چاکھو کے حملے کا انتظار کرنے لگا۔ چاکھو نے حملہ کر دیا لیکن یکایک ہری ایک طرف کو ہٹ گیا۔ چاکھو کا وار خالی گیا جس سے اس کے پیر اکھڑ گئے اور وہ ایک دھماکے کے ساتھ زمین پر آگرا اور ہری نے اپنے خوفناک دانتوں سے چاکھو کو دبا لیا۔

اچانک ہری پیچھے کی طرف ہٹا اور ایک بار پھر چاکھو کو اٹھنے کا موقعہ دیا۔ چاکھو اچھی طرح جان گیا کہ وہ بُری طرح ہار چکا تھا۔ اس نے ایک چکّر لگایا اور گھبرا کر بڑی تیزی سے بھاگ گیا۔ ہری نے پھر اس کا پیچھا نہ کیا۔ جو سزا وہ چاکھو کو دے چکا تھا وہ اس کے لئے بہت کافی تھی۔

اب ہری مندر کی جانب بڑھا۔ وہ نئے منیجر کی شکل دیکھنا چاہتا تھا اور اسے بھی معقول سزا دینا چاہتا تھا۔ مندر پر لوگوں کو خبر ملی کہ ہری اسی طرف کو آرہا ہے اور بڑے غصّے میں ہے۔ ہری اب مندر کے نزدیک پہنچ گیا تھا۔ لوگوں نے جلدی سے سارے پھاٹک اندر سے بند کر لئے۔ ہری صدر دروازہ پر پہنچا۔ وہاں تالا لگا ہوا تھا۔ اس نے جو زور سے ایک دھکا دیا تو پھاٹک ٹوٹ کر کھل گیا۔ وہ سیدھا منیجر کے آفس پہنچا لیکن منیجر پہلے ہی وہاں سے باہر چلا گیا تھا۔ اس لئے ہری نے دفتر کی چھت اور ایک دیوار کو گرا دیا۔

کچھ فاصلے پر لوگوں کی ایک بھیڑ جمع ہوگئی تھی۔ کچھ تو ان میں سے مندر کی چھت پر چڑھ گئے اور کچھ درختوں پر۔ سب نے چلاّنا شروع کیا اور ہری کو حکم دیا کہ وہ شرارت سے باز آئے۔ جونہی کہ وہ پھاٹک کی طرف بڑھا لوگ اس پر پتھر پھینکنے لگے۔ وہ زخمی ہوگیا اور اس نے دوڑنا شروع کیا۔

تب ہری کے مہاوت وہاں آگئے اور ہری کے پیچھے دوڑنے لگے لیکن ہری ان سے زیادہ تیز دوڑ رہا تھا۔ وہ گلی میں گھس گیا۔ جو لوگ مندر کے باہر جمع تھے جب انہوں نے دیکھا کہ یہ زبردست ہاتھی گلی میں گھس رہا ہے تو ان کے اوسان

خطا ہو گئے۔ چیختے پکارتے وہ اپنی جان بچا کر بھاگ نکلے اور کچھ نے ہری پر اینٹوں اور پتھروں سے حملہ کر دیا۔ تب تو ہری غصّے سے پاگل ہو گیا۔ جو کوئی سامنے آجاتا اسی کا پیچھا کرتا اور جو چیز دیکھتا اسے مسل دیتا۔

ہری کی ان حرکتوں کی خبر اب سارے قصبے میں پھیل گئی۔ موہن کو جب معلوم ہوا کہ ہری جنگلی ہو گیا ہے اور لوگوں کی جان لے رہا ہے تو وہ اسکول میں تھا۔ وہ بہت پریشان ہوا اور اب اس کے لئے اسکول میں رُکنا دشوار ہو گیا۔ وہ چپ چاپ درجے سے کھسک گیا اور مندر کی طرف دوڑا۔ اسے ہری کی تلاش تھی۔ راستے میں اس نے دیکھا کہ سب کے سب بدحواس ہو کر بھاگے جا رہے ہیں۔ گلی کے ایک کنارے کھڑا ہو کر وہ بھیڑ کو دیکھنے لگا۔ لوگوں نے چلّا کر اس سے کہا، "بھاگو، پاگل ہاتھی آرہا ہے۔" لیکن موہن اسی جگہ ڈٹا رہا۔ وہ تو ہری کو دیکھنے کے لئے بیتاب تھا اور اس کے آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

تھوڑی دیر میں ہی ہری موہن کے برابر سے گذرا۔ موہن نے زور سے پکارا "ہری۔ ہری۔ ہری۔" زبردست ہاتھی رُک گیا اور موہن کی طرف مڑا۔ موہن نے اپنے بازو لہرائے اور پھر آواز دی۔ "ہری۔ ہری۔ ہری کیا تو مجھے نہیں جانتا؟" یہ جاننے کے لئے کہ یہ کس کی آواز تھی۔ موہن کی طرف غور سے دیکھا اور پھر اس نے موہن کو اچھی طرح پہچان لیا۔ ہری نے اپنے پنکھے جیسے کان پھڑپھڑائے اور اپنی سونڈ کو اسی طرح جھلانا شروع کیا جس طرح وہ صبح کے وقت روزانہ باغ میں پیڑ تلے کرتا تھا۔

دونوں مہاوت دور سے یہ سب کچھ غور سے دیکھتے رہے۔ وہ یہ دیکھ کر ہکّا بکّا رہ گئے کہ موہن ہری کے بالکل قریب کھڑا ہے اور ہری اپنی سونڈ بڑھا بڑھا کر موہن کا سواگت کر رہا ہے۔ مہاوتوں کو اندازہ ہو گیا کہ اب ہری ٹھیک ہوتا جا رہا ہے اور وہ آہستہ آہستہ اس کی طرف بڑھے۔ ہاتھی بدستور کھڑا رہا۔ انہوں نے ہری کے جسم پر ہاتھ پھیرا اور بڑے پیار سے آواز دی۔ آخر وہ ہری کو اس کے مالک کی حویلی پر لے آئے اور اسے پیڑ سے زنجیر سے باندھ دیا۔

مندر کے مینیجر نے محسوس کیا کہ واقعی اس سے غلطی ہوئی۔ وہ ہری کے پاس گیا اور بڑے پیار سے بولا کہ "سچ مچ اسے اپنی اس غلط کارروائی پر بڑا افسوس ہے۔"

اگلے دن بھی تیوہار مندر میں بڑی شان سے منایا گیا اور جس وقت جلوس روانہ ہوا تو پہلے کی طرح ہری کو ہی سب ہاتھیوں کے آگے رکھا گیا۔
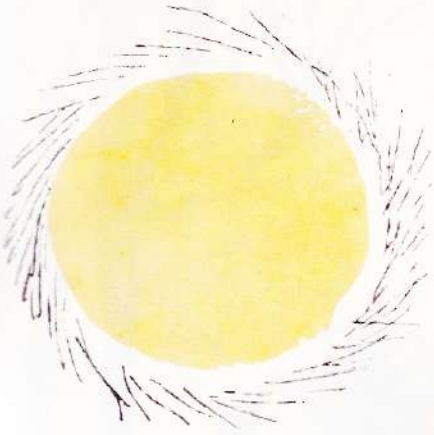
مالتی اور ناریل

مالتی ایک خوبصورت اور شریف ہتھنی تھی۔ اس کے مہاوت کا نام کرون تھا۔ کرون کئی سال سے اس کا مہاوت تھا اور وہ مالتی کو اس قدر پیار کرتا تھا جیسے کہ وہ اس کی اپنی ہی بیٹی ہو۔ اب چونکہ وہ کافی بوڑھا ہو چلا تھا اس نے ایک آدمی اپنی مدد کے لئے رکھ لیا۔ یہ نوجوان تھا اور اس کا نام رمن تھا۔ اسے بھی ہاتھیوں کا بڑا شوق تھا۔ وہ نوجوان کسی قدر شرارتی بھی تھا اور کبھی کبھی تو وہ مالتی کو چھیڑ بھی دیتا تھا۔ مالتی البتہ اس سے پیار کرتی تھی اور اس کے ساتھ کھیلنا پسند کرتی تھی۔

کرون اور رمن ایک دن مالتی کو غسل دے کر گھر لے جا رہے تھے۔ راستے میں وہ ایک چھوٹی دوکان کے سامنے سے گذرے۔ دوکاندار کو مالتی بڑی اچھی لگی اور اس نے اسے ایک ناریل دیا۔ مالتی نے اپنے پاؤں سے دبا کر ناریل توڑ ڈالا اور کھوپرا صاف کر کے سفید گری کھا گئی۔

اس کے بعد رمن نے بھی ایک ناریل مانگا اور دوکاندار نے اسے بھی ایک ناریل دیدیا۔ ہتھنی اور مہاوت دوکان سے گذر کر اپنے راستے پر ہولئے۔ رمن تو ہتھنی پر سوار تھا اور کرون اس کے ساتھ ساتھ سڑک پر پیدل چل رہا تھا۔ رمن کو صبر نہ تھا۔ وہ اسی وقت اور اسی جگہ اپنا ناریل کھا لینا چاہتا تھا۔ ناریل کو توڑنے کے لئے اس نے اپنا ناریل مالتی کی کھوپڑی پر دے مارا۔ مالتی درد سے چیخ اٹھی۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" کرون چیخا۔ "تم سے مالتی کو تکلیف پہنچی۔" رمن نے کہا۔ "مجھے اس کا بڑا افسوس ہے۔"

اگلے دن مالتی اور اس کے دونوں مہاوت حسب معمول اسی دوکان کے سامنے سے گذرے۔ دوکاندار کے پاس اس وقت ایک ہی ناریل تھا جو کہ اس نے مالتی کو دیدیا۔ اب کی بار کرون ہتھنی پر سوار تھا اور رمن اس کے ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ مالتی نے ناریل اپنی سونڈ سے اٹھا لیا۔ اُسے یاد آیا کہ رمن نے کس طرح اپنا ناریل اس کے سر پر دے مارا تھا۔ اس کے دماغ میں آیا کہ وہ خود بھی رمن کے ساتھ یہی برتاؤ کرے۔ فوراً ہی اس نے ناریل رمن کے سر پر دے مارا۔

"یہ تم نے کیا کیا؟" کرون چیخا۔ "تم نے رمن کو زخمی کر دیا۔"
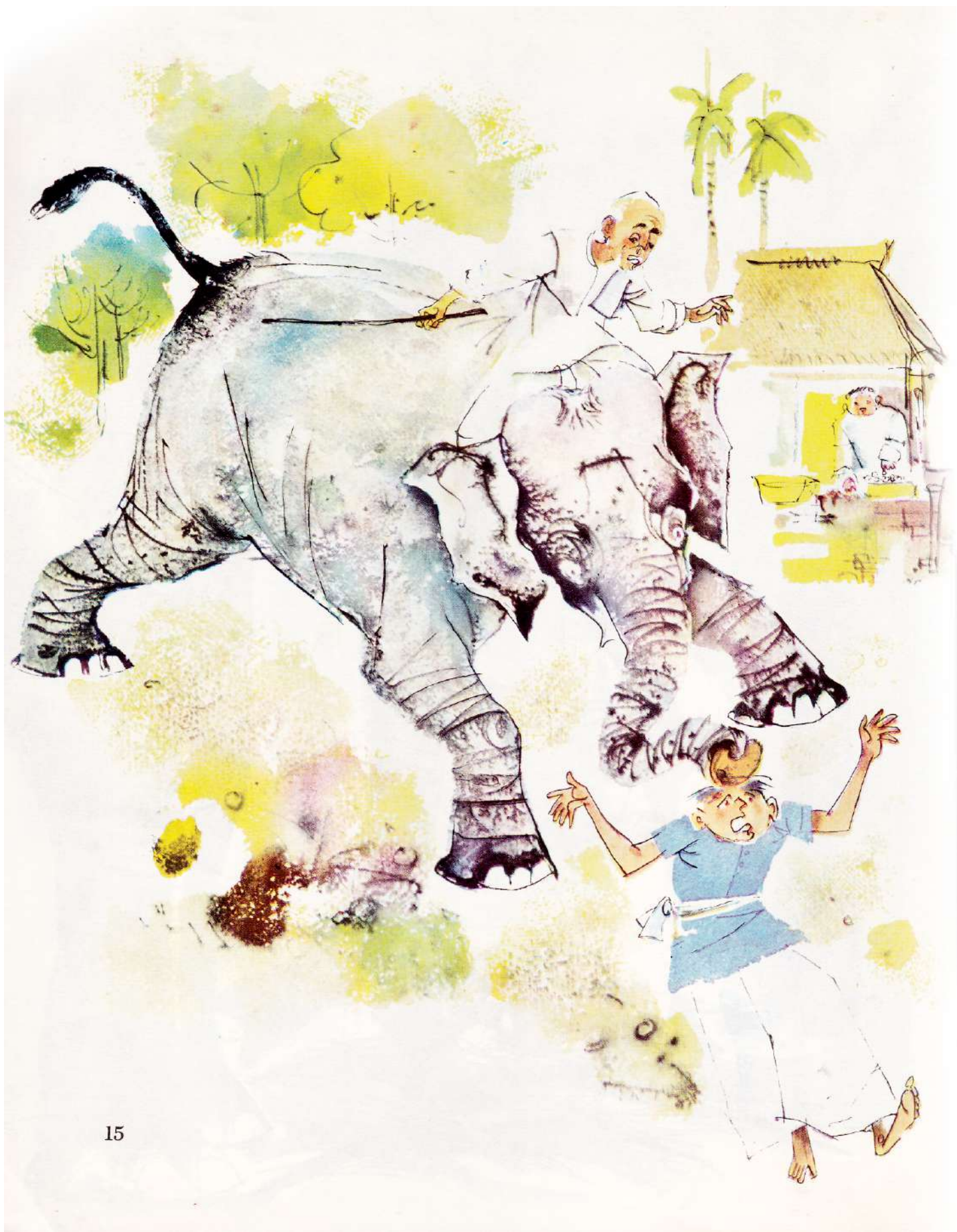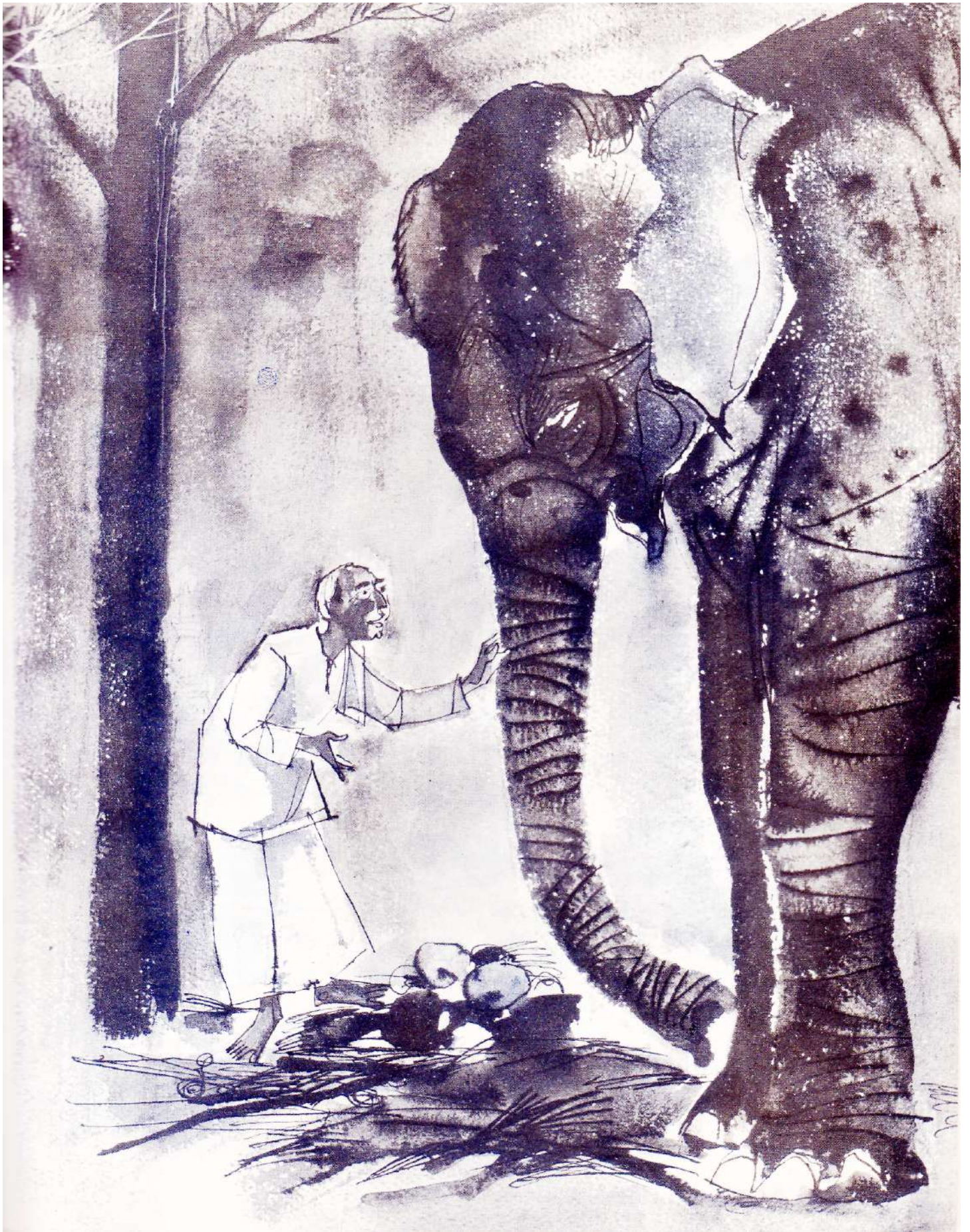
رمن بے ہوش ہوکر گر پڑا اور اس کی کھوپڑی سے خون بہہ نکلا۔ کرون اور دو کاندار نے رمن کو اٹھایا اور چارپائی پر ڈال کر اسے ہسپتال پہنچایا۔

مالتی ان کے پیچھے پیچھے چلتی رہی۔ جب رمن کو اندر لے گئے تو مالتی باہر انتظار میں رُک گئی۔ کئی گھنٹے گذر گئے اور بالآخر کرون باہر نکلا تاکہ وہ ہتھنی کو گھر لے جائے۔ لیکن مالتی نے اس کے ساتھ گھر جانے سے انکار کر دیا۔ مہاوت نے مالتی کو ہسپتال کے احاطے سے باہر لے جانے کی پوری پوری کوشش کی لیکن وہ اپنی جگہ سے ہلی بھی نہیں۔ کرون نے محسوس کیا کہ مالتی کو اپنے کئے پر افسوس ہو رہا ہے۔ ہتھنی کو رمن کی بڑی فکر تھی اس لئے کرون نے اس کو اپنی مرضی کے مطابق وہیں رہنے دیا۔ پوری رات اور سارا دن گذر گیا لیکن مالتی وہیں کھڑی رہی۔ اگلے دن صبح کو پھر مہاوت نے اسے گھر لے جانے کی کوشش کی لیکن وہ اسی طرح اپنی جگہ پر ڈٹی رہی، نہ کچھ کھایا اور نہ کچھ پیا۔

کرون اس کے کھانے کے لئے کچھ راتب لایا، مگر مالتی نے اسے چھُوا تک نہیں۔ اس نے پانی دیا مگر اس نے پینے سے انکار کر دیا۔

اسی طرح ایک دن اور ایک رات پھر گذر گئے اور مالتی اب بھی اُسی طرح بغیر کچھ کھائے پیئے اور چلے پھرے وہیں کھڑی رہی جہاں پر وہ پہلے کھڑی تھی۔

اگلے دن رمن ہوش میں آیا۔ کرون نے اسے مالتی کی حالت بتائی۔ رمن کو فکر ہوئی کہ باہر جاکر مالتی سے ملے اور اسے سمجھائے کہ پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں۔ ڈاکٹر
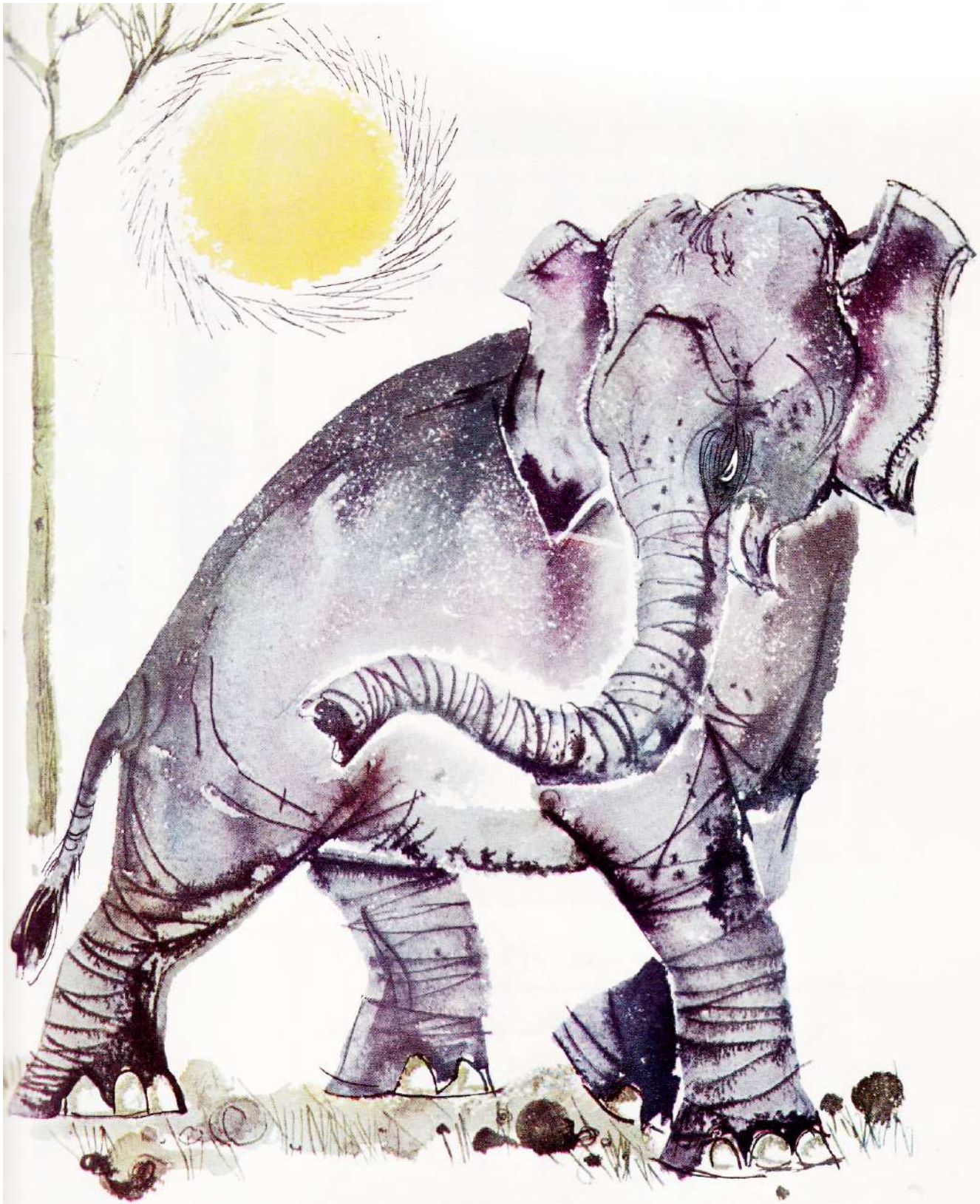
نے اسے ایک پہیئے دار کرسی پر باہر جانے کی اجازت دے دی۔ جونہی مالتی نے رمن کو دیکھا وہ رنجیدہ ہو کر چنگھاڑی۔ گویا وہ رمن سے اپنی غلطی کی معافی مانگ رہی ہو۔

رمن نے مالتی کے بدن پر پیار سے تھپتھپایا اور ہاتھ پھیرا۔

"اب تو میں بالکل ٹھیک ہوں مالتی!" اس نے کہا۔ "کوئی فکر نہ کرو۔ اب گھر جاؤ، نہاؤ اور کھاؤ۔ میں جلدی ہی اچھا ہو جاؤں گا۔"

مالتی کو بڑی خوشی ہوئی۔ رمن ہسپتال میں واپس گیا اور مالتی کرون کے ساتھ گھر چلی آئی۔

روزانہ مالتی کرون کے ساتھ رمن کو دیکھنے کے لئے ہسپتال جاتی۔ کچھ عرصے میں رمن کے زخم بھر گئے اور وہ بھی مالتی اور کرون کے ساتھ گھر پر واپس آ گیا۔

ستی اور بابو

دیوراج ایک کسان تھا۔ وہ اپنا گاؤں چھوڑ کر چلا گیا اور کاشت کرنے کے لئے جنگلاتی زمین کا ایک بڑا سا قطعہ لے لیا۔

اس نے جنگل کو صاف کیا اور کاشت شروع کر دی۔ فصل بہت اچھی ہوئی اور دیوراج کے پاس کچھ پیسے ہو گئے۔ اس نے ایک چھوٹا سا مکان بنا لیا اور اپنی بیوی کملا اور بیٹے بابو کو اپنے ساتھ رہنے کے لئے بلا لیا۔

اس وقت بابو بارہ سال کا تھا۔ گاؤں میں تھا تو وہ مدرسے جایا کرتا تھا لیکن اس کے نئے گھر کے قریب کوئی اسکول نہ تھا۔ بابو کو یہ جگہ بالکل پسند نہیں آئی۔ وہاں اس کا کوئی دوست نہ تھا اور تنہائی بہت کھلتی تھی۔ اس جگہ اسے کوئی کام بھی کرنے کے لئے نہ تھا اور وہ ذرا بھی خوش نہ تھا۔ البتہ بابو گانے کا شوقین تھا۔ اس کے پاس ایک بانسری تھی اور وہ اسے بہت اچھا بجاتا تھا۔ وہ اچھا گا بھی لیتا تھا۔ اکثر وہ کسی خاموش جگہ پر چلا جاتا اور وہیں بیٹھ کر گھنٹوں اپنی بانسری بجاتا رہتا۔

اس کے برخلاف بابو کی ماں کملا پر اس تبدیلی سے کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ اسے گھر کا کام کاج چلانے میں کافی محنت کرنی پڑتی اور اس کے نزدیک وہاں کی اور اپنے گاؤں کی زندگی میں کوئی خاص فرق نہ تھا۔

ایک دن کملا ایک گہرے کنویں سے پانی نکال رہی تھی۔ گرمی کا موسم تھا اور بارش کی کمی تھی۔ تمام ندیاں اور تالاب سوکھ گئے تھے اور جانور پانی کی تلاش میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے۔ کملا نے ابھی پانی کا برتن بھرا ہی تھا کہ اس نے دیکھا کہ ایک ہاتھی اس کی طرف چلا آتا ہے۔ یہ ایک جنگلی ہتھنی تھی۔ کملا ڈر کر چیخ پڑی۔ ہتھنی نے اس کی چیخ کو سُنا تو اسی جگہ خاموش کھڑی ہو گئی اور رنجیدہ صورت سے کملا کی طرف دیکھنے لگی۔ کملا تیزی سے بھاگ کر ایک موٹے سے پیڑ کے پیچھے چھپ گئی اور جھانک کر دیکھنے لگی کہ ہتھنی کیا کرنا چاہتی ہے۔

ہتھنی پانی کی تلاش میں کنویں پر گئی۔ وہاں اسے وہ برتن دکھائی دیا جو کملا چھوڑ کر بھاگ گئی تھی۔ اس نے اپنی سونڈ برتن میں ڈالی اور سارا پانی نکال کر اپنے مُنہ میں اُنڈیل لیا۔ اسے پانی کی اور ضرورت تھی۔ اس نے کملا کی طرف دیکھا

جو پیڑ کے پیچھے سے اب بھی جھانک رہی تھی۔ کملا کو معلوم ہو گیا کہ ہتھنی کیا چاہتی ہے لیکن وہ قریب جانے سے ڈرتی تھی۔ ہتھنی کو بھی کملا کے ڈر کا اندازہ ہو گیا اور وہ کنویں سے ہٹ کر کچھ فاصلہ پر اسی جگہ چلی آئی جہاں پر وہ پہلے کھڑی تھی۔ کملا کنویں پر گئی، پانی نکالا اور برتن کو بھر کر پیڑ کے پاس بھاگ آئی۔ ہتھنی دوبارہ کنویں پر گئی اور برتن کا سارا پانی پی گئی۔ لیکن اب بھی وہ پیاسی تھی اس لیے وہ پھر وہاں سے ہٹ گئی، تاکہ کملا کو برتن میں پانی بھرنے کا موقع مل جائے۔ کملا نے پھر سے برتن کو بھرا اور ہتھنی ایک بار پھر سارا پانی پی گئی۔ ہتھنی بے انتہا پیاسی تھی اور

اس کو بہت زیادہ پانی کی ضرورت تھی اس لئے ہتھنی کی پیاس کو بجھانے کے لئے کملا کو بار بار برتن پانی سے بھرنا پڑا۔ وہاں سے جانے سے پہلے چند منٹ تک ہتھنی کنویں پر کھڑی کھڑی کملا کی طرف بڑے غور سے دیکھتی رہی۔ اس کے بعد آہستہ آہستہ بڑی بے دلی کے ساتھ وہاں سے جنگل کی طرف چلی گئی۔ کملا بھی جب تک ہتھنی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہوگئی، اسے دیکھتی رہی۔

"وہ ہتھنی بیمار معلوم ہوتی ہے۔" کملا نے سوچا۔ "بے چاری سے چلا بھی نہیں جاتا۔"

کملا دوڑ کر گھر پہنچی اور اپنے شوہر اور اپنے بیٹے بابو کو اس ہتھنی کے بارے میں بتایا۔ بابو ہتھنی کو دیکھنے کے لئے اسی وقت وہاں جانا چاہتا تھا مگر دیوراج نے اسے روک دیا۔

"جنگلی ہاتھی بڑے خطرناک ہوتے ہیں۔" اس نے بتایا۔

البتہ اگلے دن صبح کو بابو باہر چلا گیا اور جلدی ہی دوڑتا ہوا واپس آیا۔ وہ بڑے جوش میں تھا۔

"اماں۔ اماں۔" اس نے کہا۔ "میں ہاتھی کو دیکھ آیا۔ وہ تو اس جگہ پڑا ہوا سو رہا ہے۔"

"پڑا ہوا ہے؟" اس کے باپ نے کہا۔ "ہاتھی تو صبح کے وقت سوتے ہی نہیں۔ ضرور وہ بیمار ہوگا۔"

اس لئے وہ سب کے سب یہ دیکھنے کے لئے کہ معاملہ کیا ہے روانہ ہوگئے۔ بات تو سچ ہی تھی۔ ہاتھی لیٹا ہوا تھا۔ جب وہ اس کے نزدیک پہنچے تو پتہ چلا کہ وہ مرا ہوا ہے لیکن اس کے پاس ہی ہاتھی کا ایک بچّہ تھا جو ابھی ابھی پیدا ہوا تھا۔

"یہی ہتھنی تو کل یہاں آئی تھی۔" کملا بولی۔ "وہ مرنے سے پہلے بچّہ دینے واپس آگئی تھی۔"

ہاتھی کا بچّہ دیکھ کر بابو کو بڑی خوشی ہوئی اور وہ بڑے جوش میں تھا۔ اسے بہت اچھا لگا۔

"کیا ہم اسے گھر لے چلیں، پتاجی!" اس نے اپنے والد سے پوچھا۔
"ہاں تم اسے گھر لے جاسکتے ہو۔" دیوراج نے جواب دیا۔ "لیکن ابھی تو ہمیں اس مردہ ہتھنی کا بھی کچھ انتظام کرنا ہے۔ ہمیں اسے دفن کرنا پڑے گا۔"
دیوراج کچھ آدمیوں کو بلا لایا۔ انہوں نے ایک بڑا سا گڑھا کھودا اور ہتھنی کو دفن کر دیا۔
اس درمیان میں کملا اور بابو ہاتھی کے بچے کو گھر لے آئے۔ وہ اچھی طرح چل نہیں پاتا تھا لیکن وہ اسے اٹھا کر بھی نہیں لے جاسکتے تھے کیوں کہ وہ بڑا وزنی تھا۔ انہوں نے اس کو چلنے میں مدد دی اور آہستہ آہستہ اس کو آگے بڑھاتے رہے۔ گھر تک پہنچنے میں ان کو کافی وقت لگ گیا۔
اس طرح بابو کو گھر پر ہاتھی کا ایک بچہ پالنے کو مل گیا۔ وہ بہت خوش تھا۔ جیسے اسے اب سب کچھ مل گیا جو وہ چاہتا تھا۔ وہ اپنا تمام وقت ہاتھی کے ساتھ ہی صرف کر دیتا۔ وہ اسے کھانا کھلاتا، نہلاتا اور اسکی دیکھ بھال کرتا۔
ہاتھی کا یہ بچہ رفتہ رفتہ بڑا ہو گیا۔ وہ ہتھنی تھی اور بابو نے اس کا نام ستی رکھا۔ ستی بابو کو بہت چاہتی تھی۔ جہاں کہیں بھی وہ جاتا ستی بھی وہاں ضرور جاتی۔ وہ ساتھ ساتھ کھیلتے اور دوڑا کرتے۔ لیکن بابو نے اپنی بانسری نہیں چھوڑی۔ جب بھی اسے وقت ملتا وہ اپنی بانسری بجاتا اور ستی اسے سنتی۔
بابو بانسری بجاتے وقت جھومتا اور ستی بھی ویسا ہی کرنے لگی۔ بابو کو یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ ستی بانسری کے سُروں
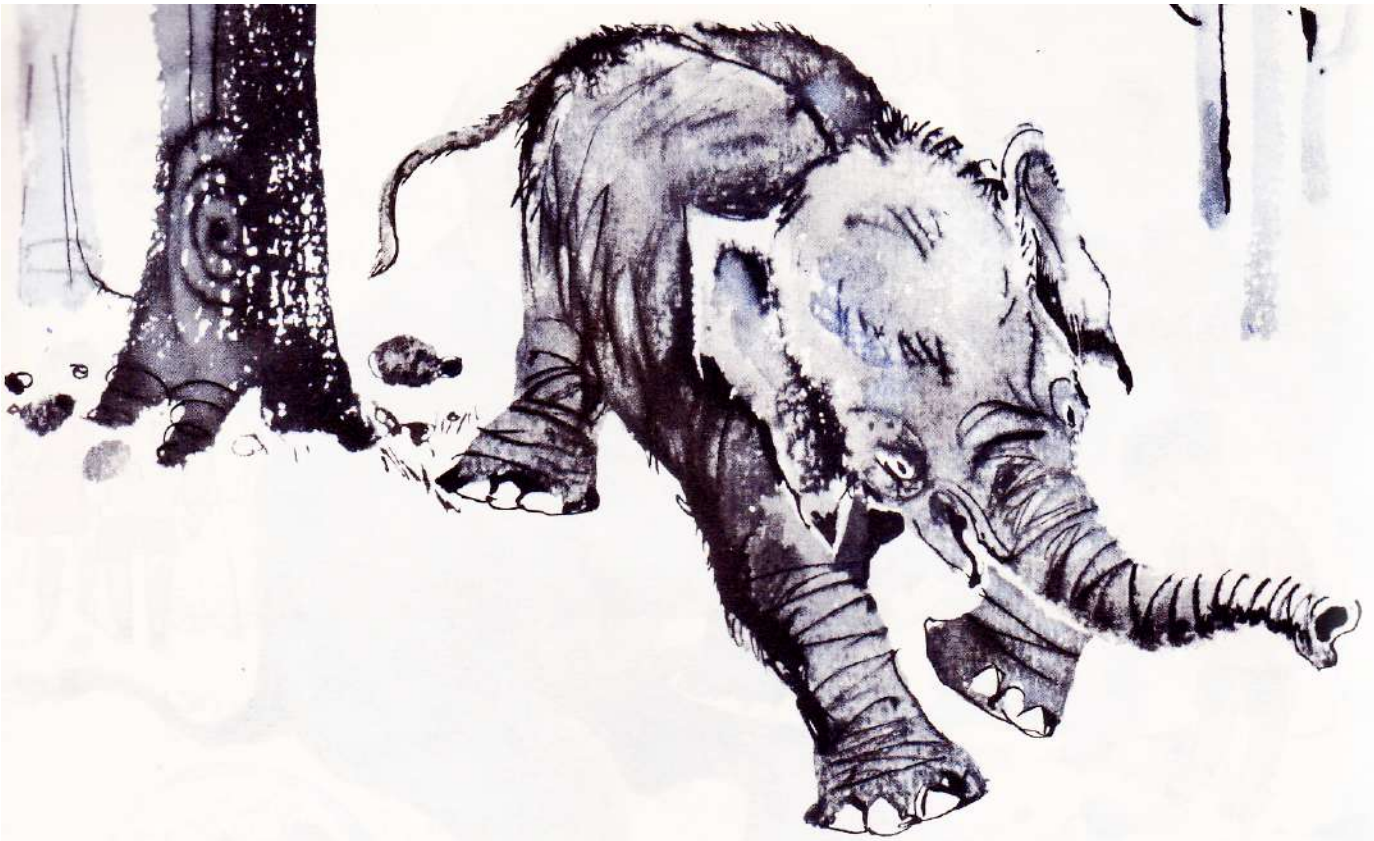
کے مطابق ناچتی ہے اس لئے اس نے سنی کو ناچ سکھانا شروع کر دیا اور وہ بھی بڑے شوق سے سیکھنے لگی۔

رفتہ رفتہ اس نے سنی کو سکھا دیا کہ بانسری کے مختلف سُروں پر اُسے کس طرح اپنے جسم کو حرکت دینی چاہیئے اور بہت جلد ہتھنی اس کے تمام سُروں کے مطابق ناچنے لگی۔

سنی برابر بڑھتی رہی۔ اسے روز بروز زیادہ کھانے کی ضرورت پڑنے لگی۔ دیوراج کو ایک بڑے ہاتھی کو پالنا دشوار ہوگیا۔ اسے امید تھی کہ سنی کے بڑے ہو جانے پر اسے بیچ کر کچھ کما لے گا۔ لیکن اس کے لئے ابھی چند سال اور لگیں گے اور دیوراج ابھی سے مقروض ہو چکا تھا۔ ہر صبح کو اسے کافی مقدار میں دودھ پلانا پڑتا تھا اور دن بھر میں اُسے اُبلے ہوئے بہت زیادہ چاول کھلانے پڑتے تھے۔ ان سب پر کافی پیسے خرچ ہوتے تھے اور دیوراج کے پاس زیادہ پیسے نہیں تھے، اس لئے اس نے ہتھنی کو فوراً ہی بیچ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ اب اسے خریداروں کی تلاش ہوئی۔ ایک ایک کرکے خریدار آتے اور ہتھنی کو دیکھتے۔ ہر ایک نے الگ الگ دام لگائے۔

جب بابو کو معلوم ہوا کہ اس کا باپ ہتھنی فروخت کرنے والا ہے تو اسے بڑا صدمہ ہوا۔ اس کے تو خیال میں بھی یہ بات کبھی نہ آئی تھی کہ سنی کو اس سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ سنی کے بغیر وہ کیسے رہ سکے گا؟

"آپ اسے نہ بیچئے۔" اس نے اپنے والد سے کہا۔ "اگر وہ گھر سے جائے گی تو میں بھی اس کے ساتھ جاؤں گا۔"

دیوراج نے اسے سمجھانے کی کوشش کی کہ ہتھنی کو پالنا اس کے بس سے باہر ہے اگر اس وقت سنی بِک گئی تو وہ بابو کو

قصبہ کے اسکول بھیج دے گا۔ مگر بابو کو ستی کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہیئے تھا۔

بابو کو بڑا رنج ہوا۔ اس نے رونا دھونا شروع کر دیا۔ اس نے سوچا کوئی ایسی ترکیب کرنی چاہیئے کہ ستی اس سے الگ نہ ہو سکے۔ لیکن ایسا کوئی راستہ اسے دکھائی نہ دیا۔ ایک بار تو اس کے دماغ میں آیا کہ وہ ستی کو کسی جنگل میں چھوڑ آئے اور وہیں جاکر اس سے ملتا رہے۔ اور سچ مچ ایک دن وہ اسے جنگل کو لے گیا اور اسے چلے جانے کو کہہ دیا۔ لیکن ستی کیوں جانے لگی۔ وہ اس کے ساتھ ساتھ گھر واپس آ گئی۔

اس کے بعد بابو کو یاد آیا کہ چڑیا گھر میں بھی تو ہاتھی رکھے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ وہ چڑیا گھر گیا تھا اور وہاں اس نے ہاتھی دیکھے تھے۔ اس لئے اگر چڑیا گھر والے ستی کو لے لیں تو وہاں جاکر اس سے اکثر ملنے کا موقع ملتا رہے گا۔

بابو نے اپنے باپ سے کہا کہ " اگر آپ ستی کو بیچنا ہی چاہتے ہیں تو کیوں نہ چڑیا گھر کو بیچ دیں ؟ میں خود اسے وہاں لے جاؤں گا اور اچھے داموں بیچ دوں گا۔"

دیوراج کو یقین نہیں تھا کہ چڑیا گھر والے ایک اور ہاتھی خریدنا چاہیں گے، لیکن اس نے بابو کو اجازت دیدی کہ وہ ستی کو چڑیا گھر لے جائے اور اگر مناسب قیمت مل جائے تو اسے بیچ دے۔

اس کے اگلے دن ہی بابو ستی کو اپنے ساتھ لے کر شہر کے لئے روانہ ہوگیا۔ وہ کچھ دیر تو اس کے ساتھ ساتھ پیدل چلتا رہا لیکن جب تھک گیا تو ستی کی پیٹھ پر سوار ہوگیا۔ شام کے وقت وہ چڑیا گھر پہنچ گیا اور مینیجر سے ملا۔

بابو نے اس سے کہا۔ "میں اپنی ستی آپ کے ہاتھ فروخت کرنے آیا ہوں۔ وہ بڑی اچھی ہتھنی ہے۔"

مینیجر نے جواب دیا کہ اس وقت تو ہم کوئی نیا ہاتھی خریدنا نہیں چاہتے۔

بابو نے کہا "مہربانی فرما کر آپ اسے ایک نظر دیکھیں تو سہی۔ وہ بہت خوبصورت ہے اور ناچنا جانتی ہے وہ آپ کے چڑیا گھر کے لئے بہت کارآمد ثابت ہوگی۔ آپ اسے لے ہی لیں۔"

مینیجر نے کہا۔ "مجھے افسوس ہے کہ میں تمہاری کچھ مدد نہیں کرسکوں گا۔"
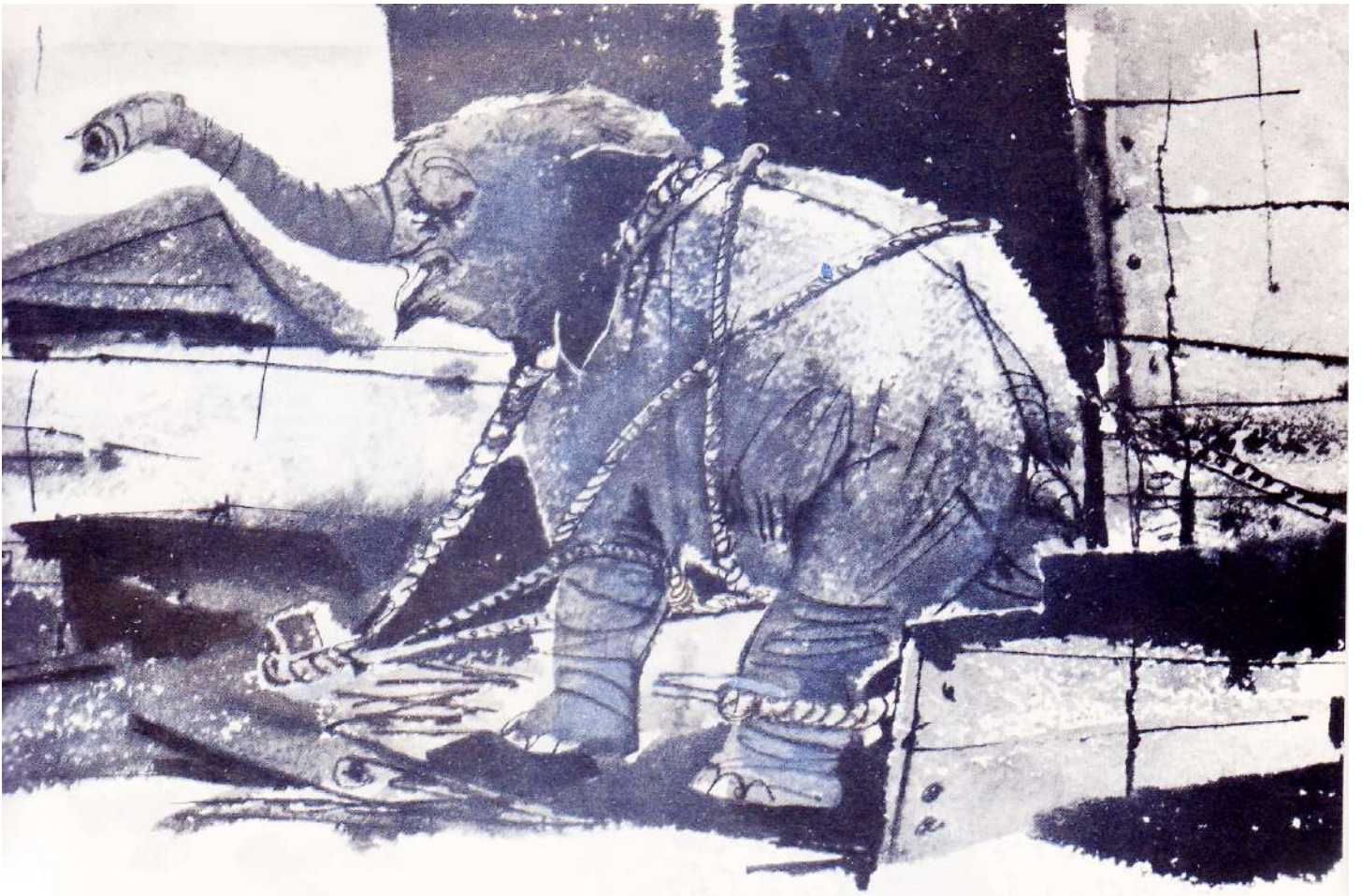
بابو کی ہمت ٹوٹ گئی۔ وہ چڑیا گھر سے باہر نکل آیا لیکن اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اب وہ کہاں جائے۔ وہ سنی کو ساتھ لئے ہوئے شہر میں گھوم رہا تھا۔ لوگ اس کو اور اس کی ہتھنی کو گھور گھور کر دیکھتے تھے۔ وہ تھک چکا تھا اس لئے ایک سڑک کے کنارے وہ ذرا آرام کرنے کو بیٹھ گیا۔ اس نے اپنی بانسری نکالی اور بجانا شروع کر دیا۔ سنی ناچنے لگی۔ لوگ ہتھنی کو ناچتے دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گئے اور جلدی ہی سنی اور بابو کے چاروں طرف ایک بھیڑ اکٹھی ہو گئی۔

ایک آدمی بھیڑ میں سے نکل کر بابو کے پاس آیا اور اس کی ہتھنی کے متعلق باتیں کرنے لگا۔ اس آدمی نے بابو سے کہا۔ کیا تم سرکس میں ہاتھیوں کے عجیب و غریب کھیلوں کو دیکھنا پسند نہ کرو گے ؟ یہاں نزدیک ہی ایک سرکس آیا ہوا ہے اور اگر تم چاہو تو میں تمہیں وہاں لے چلوں۔

بابو کو ہاتھیوں کا تماشہ دیکھنے کی بڑی خواہش تھی اس لئے وہ اس آدمی کے ہمراہ سرکس پہنچا۔ سنی اس کے ساتھ تھی۔ بابو کو بتایا گیا کہ وہ اپنی ہتھنی کو سرکس کے اندر نہ لے جا سکے گا۔ اس لئے باہر ہی سنی کو ایک پیڑ سے باندھ کر وہ خود اندر چلا گیا۔ اسے سرکس بہت ہی اچھا لگا اور جب ہاتھیوں کے سارے کھیل ختم ہو گئے تو وہ دوڑتا ہوا اپنی ہتھنی کو دیکھنے کے لئے باہر نکل آیا۔ لیکن سنی وہاں پر نہ تھی۔

وہ پکارنے لگا: "سنی! سنی! سنی تم کہاں پر ہو؟"

سنی کا کچھ پتہ نہ چلا۔ اس نے بہت سے آدمیوں سے دریافت کیا کہ اس کی ہتھنی کہاں چلی گئی لیکن سنی کے بارے میں کوئی بھی کچھ نہ بتا سکا۔ وہ اِدھر اُدھر سنی، سنی آواز لگاتا ہوا دوڑتا پھرتا رہا۔ لیکن نہ تو اسے سنی ہی ملی اور نہ کوئی ایسا آدمی ہی تھا جو اس کی مدد کرتا۔

تب بالو کو چڑیا گھر کے مینیجر کا خیال آیا۔ وہ دوڑتا ہوا اس کے پاس گیا اور سب واقعہ اس سے بیان کیا۔ چڑیا گھر کے مینیجر کو بالو کی حالت پر بڑا ترس آیا۔ اس نے سرکس کے مینیجر کو بلوایا اور اس سے بالو کی ہتھنی کے بارے میں دریافت کیا۔ سرکس کے مینیجر نے جواب دیا کہ اس نے نہ تو ہتھنی کو دیکھا ہے اور نہ ہی اسے سنی کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔

چڑیا گھر کے مینیجر نے کہا کہ ہتھنی اسی جگہ سے غائب ہوئی ہے اس لئے پولیس کو اطلاع دینی پڑے گی لیکن پولیس کو اطلاع دینے سے پہلے یہ جگہ اچھی طرح تلاش کر لی جائے۔

سرکس مینیجر نے کہا کہ آپ چاہیں تو ضرور تلاشی لے لیں۔

وہ سب کے سب سنی کی تلاش میں ایک ایک ڈیرہ دیکھنے لگے لیکن ہتھنی کہیں نہ دکھائی دی۔ بالو نے اپنی بانسری

نکال کر بجانا شروع کیا۔ کچھ فاصلے پر کسی ہاتھی کی چنگھاڑ سنائی دی۔ یہ آواز سنی کی تھی۔ وہ سیدھے اسی جگہ جا پہنچے جہاں سے وہ آواز آرہی تھی اور وہاں ایک پرانی سی جھونپڑی میں انہوں نے سنی کو بندھا ہوا پایا۔

"یہ یہاں کیسے آئی ؟" سرکس کا مینیجر چلاّیا۔ "ضرور میرے ہی کچھ آدمیوں نے یہ حرکت کی ہوگی۔ مجھے سچ مچ بڑا افسوس ہے۔"

آناً فاناً سنی کو کھول کر چھوڑ دیا گیا۔ بابو اور ہتھنی دونوں ہی نے ایک دوسرے کا سواگت کیا اور ایک بار پھر اکٹھے ہو جانے پر بہت خوش ہوئے۔ تب بابو سرکس کے مینیجر سے مخاطب ہوا اور کہا "میری سنی ناچ سکتی ہے۔"

سرکس مینیجر ان کو ایک بڑے خیمے میں لے آیا اور اس نے بابو سے کہا کہ سنی جو بھی کھیل وغیرہ جانتی ہو دکھائے۔ بابو نے جونہی اپنی بانسری بجائی سنی نے ناچنا شروع کر دیا۔ بابو نے جو سُر تبدیل کئے تو سنی نے بھی اپنے پاؤں کی چال یعنی ٹھمکے کو اسی کے مطابق بدل دیا۔

سنی کا ناچ دیکھ کر لوگوں کو بڑا اچنبھا ہوا۔ اس سے پہلے انہوں نے کبھی کسی ہاتھی کو ایسے کرتب دکھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ چڑیا گھر کے مینیجر نے اب ہتھنی کو خریدنا چاہا لیکن سرکس کا مینیجر سنی سے اس قدر زیادہ خوش ہوا کہ اس نے زیادہ بڑی رقم ادا کرنا منظور کر لیا۔ وہ بابو کو بھی ایک معقول تنخواہ پر سرکس میں ملازم رکھنے پر تیار ہو گیا۔

اس طریقے سے بابو اور سنی دونوں سرکس میں شامل ہو گئے۔ سنی سرکس کے کھیلوں میں ناچتی تھی اور تماشائی جھوم اٹھتے تھے۔ سرکس بڑا مقبول ہو گیا اور بہت تھوڑے عرصے ہی میں کافی مشہور ہو گیا۔

بابو کو بھی سرکس میں اپنے کام میں بڑا لطف آیا۔ اس نے جی توڑ کر محنت کی اور سنی کے ساتھ رہنے پر وہ نہایت خوش ہوا۔ بابو اور سنی آپس میں اتنے گہرے دوست بن چکے تھے کہ لوگوں نے بابو کو سنی بابو کے نام سے پکارنا شروع کر دیا۔

کئی سال گذر گئے اور بابو سرکس میں مسلسل ترقی کرتا رہا اور بالآخر اس نے وہ سرکس خرید لیا اور اسی طرح وہ سرکس "سنی بابو سرکس" کے نام سے مشہور ہو گیا۔
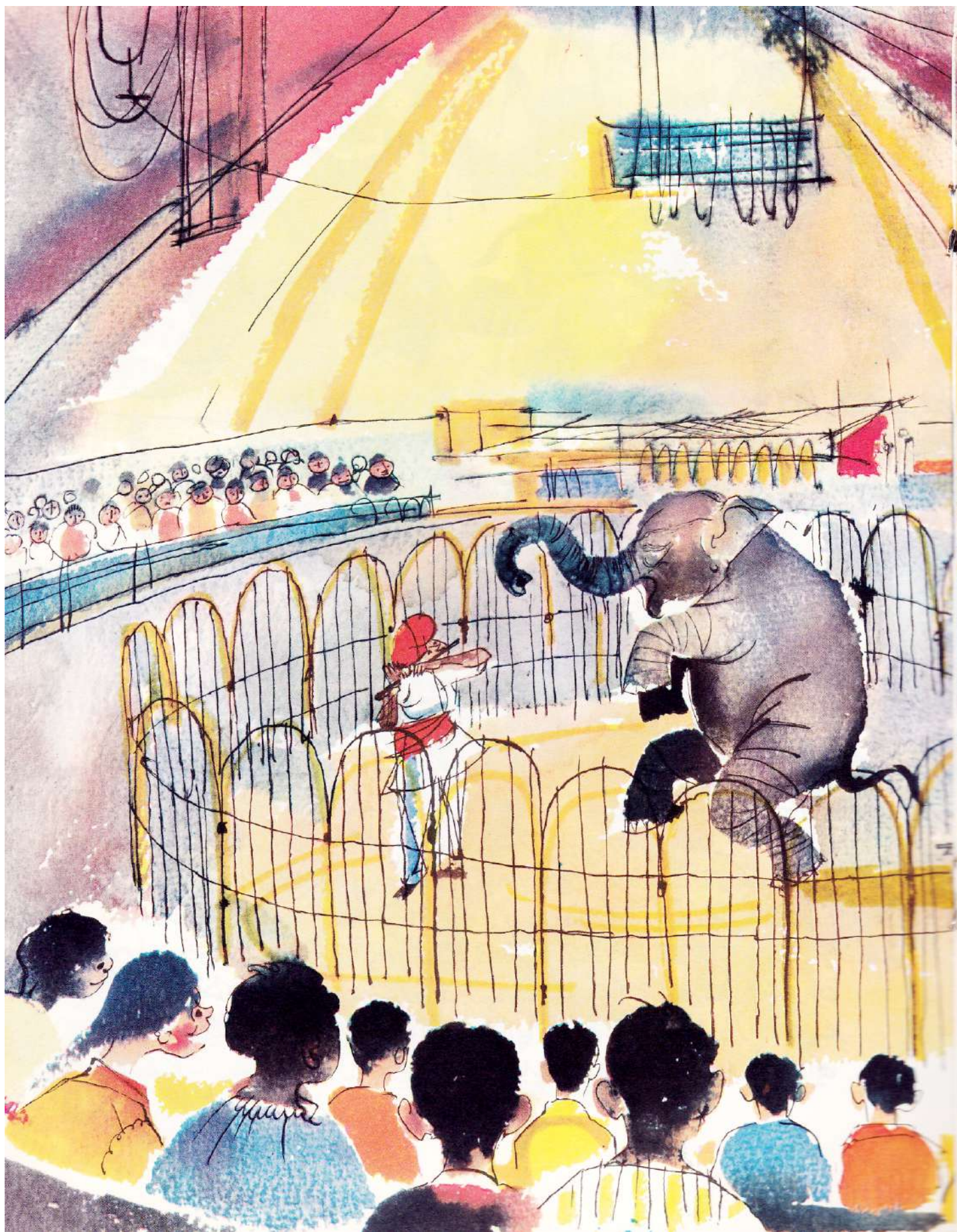
سردار

کسی زمانے میں میسور کے ایک جنگل میں جنگلی ہاتھیوں کا ایک جھنڈ رہتا تھا، اس جھنڈ میں نر ہاتھی، مادہ ہاتھی اور ہاتھی کے بچّے شامل تھے۔ ان سب کی کل تعداد تیس تھی۔ ان کا سردار ایک بڑے لمبے اور موٹے دانت والا ہاتھی تھا۔

ایک دن وہ بڑے خوش خوش جنگل میں گھوم رہے تھے کہ کچھ فاصلے پر بڑی خوفناک کڑک دار آواز سنائی دی۔ ہاتھی ڈر کر مڑے اور آواز سے دور بھاگنے لگے۔ یکایک انہیں پھر وہی تیز قسم کی آواز بار بار سنائی دی اور یہ سامنے سے آرہی تھی۔ سارے ہاتھی خاموش کھڑے ہو گئے۔ ان کو بڑا خطرہ محسوس ہوا۔ خطرہ ان کے پیچھے بھی تھا اور آگے بھی۔ اپنے بچاؤ کے لئے اب وہ کس طرف جائیں۔ انہیں معلوم نہ تھا کہ دائیں طرف مڑیں یا بائیں طرف۔ اچانک وہی تیز گرج پھر سنائی دی۔ اب کی بار شور دائیں طرف تھا۔ اس لئے وہ بائیں جانب مڑ کر بڑی تیزی سے دوڑنے لگے۔ اس کے بعد ہر طرف سے شور سنائی دینے لگا۔ البتہ سامنے سے کوئی آواز نہیں آرہی تھی۔ اس لئے یہ جنگلی ہاتھی آگے کو دوڑ رہے تھے۔ ان کے اِدھر اُدھر وہ شور جوں جوں زیادہ تیز ہوتا گیا وہ ہاتھی اور بھی زیادہ تیز بھاگنے لگے۔

اس جھنڈ کا سردار جس کے دانت بڑے موٹے اور کھورے تھے پیچھے پیچھے آرہا تھا۔ وہ بڑے غور سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔ یکایک اس نے دیکھا کہ ان کے سامنے ایک بڑا اور چوڑا پھاٹک سا ہے۔ سب ہاتھی دوڑ دوڑ کر پھاٹک میں سے گذرنے لگے۔ اس نے آگے بڑھنے میں خطرہ محسوس کیا۔ وہ چپ چاپ کھڑا ہو گیا اور خطرے سے خبردار کرنے کے لئے ایک

زور کی چنگھاڑ لگائی۔ ہاتھیوں نے اس کی آواز کو سُنا اور وہیں رُک گئے۔ وہ پیچھے کی طرف مُڑے تو وہ بڑا پھاٹک بند ہوتا نظر آیا۔ وہ پھاٹک کی طرف جھپٹے مگر اب دیر ہو چکی تھی۔ پھاٹک بند ہو گیا تھا۔

اب بڑے دانت والے ہاتھی کو محسوس ہوا کہ وہ اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا تھا۔ وہ ان کا سردار تھا اور چاہتا تھا کہ ان کے ساتھ ہی رہے لیکن وہ بڑا پھاٹک اس کے اور باقی جھنڈ کے بیچ میں حائل تھا۔ اس نے دروازے پر ٹکریں ماریں اور پھاٹک کو توڑ دینے کی کوشش کی لیکن پھاٹک بہت ہی مضبوط تھا۔ اس نے بار بار کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس کے بعد اسے شور و غل سنائی دیا۔ وہ سمجھ گیا کہ آدمی آ رہے ہیں اور اس کا وہاں ٹھہرے رہنا خطرناک ہے۔ اس لئے وہ بھاگ گیا اور اس کے ساتھی پیچھے چھوٹ گئے۔

جنگلی ہاتھیوں کو اب معلوم ہو گیا کہ پھاٹک ان کو واپس نکلنے سے روکنے کیلئے بند کر دیا گیا ہے اس لئے انہوں نے سوچا کہ کسی اور طرف سے نکل جائیں۔ وہ چاروں طرف بڑی تیزی سے دوڑنے لگے۔ لیکن ہر طرف اونچی اور مضبوط باڑھیں کھڑی تھیں۔ انہیں کسی طرف سے بھی باہر نکلنے کا راستہ نہیں ملا۔

اب یہ بات صاف ہو چکی تھی کہ وہاں سے نکلنے کے لئے اگر کوئی راستہ نکل سکتا ہے تو باڑھوں کی طرف سے۔ وہ پوری طاقت سے ان پر ٹوٹ پڑے۔ لیکن باڑھیں اس قدر مضبوطی سے لگائی گئی تھیں کہ ہاتھیوں کا کوئی بھی گروہ ان کو نہ توڑ سکتا تھا۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ ان سے نکلنا ممکن نہیں تو وہ بہت خوفزدہ ہوئے اور سب کے سب جمع ہو کر ایک جگہ ڈٹ گئے تاکہ وہ خطرے کی حالت میں اپنا بچاؤ کر سکیں۔

انتیس ۲۹ جنگلی ہاتھی ایک ہی باڑہ میں پھنسے ہوئے تھے۔ لوگوں نے یہ باڑہ جنگلی ہاتھیوں کے پکڑنے کو تیار کیا تھا۔ ان ہی لوگوں نے پٹاخے چھوڑ کر اور ڈھول بجا کر وہ ڈراونا شور و غل مچایا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ شور و غل سُن کر ہاتھی ڈر کر اسی طرف بھاگیں گے اور باڑے میں پھنس جائیں گے۔

اب سب لوگ باڑہ کے چاروں طرف جمع ہو گئے۔ وہ بہت خوش تھے اور بڑے جوش میں تھے۔ اب ان لوگوں نے تیزی سے شور کرنا شروع کیا۔ کیوں کہ اتنی زیادہ تعداد میں جنگلی ہاتھیوں کو گھیر لینے پر انہیں بے انتہا خوشی تھی۔ انہوں نے باڑہ تیار کرنے کے لئے بہت سارو پیہ اور کافی وقت لگایا تھا اور اس سلسلے میں انہیں سخت محنت کرنی پڑی تھی۔ ان کا کام اب بھی پوری طرح ختم نہیں ہوا تھا۔ ان ہاتھیوں کو تو ابھی باہر نکال کر سادھنا باقی تھا۔ ہاتھیوں

کو پکڑنا، باہر لے جانا اور پالتو بنانا بڑے مشکل کام تھے۔ جنگلی ہاتھی باڑے کے اندر ایک چوڑے میدان میں تھے اور کسی ایک آدمی کا تنہا اندر داخل ہو کر ہاتھیوں کے اس گروہ پر قابو پانا بہت خطرناک تھا۔ لیکن ان آدمیوں نے اس دقّت پر قابو پانے کے لئے بھی طریقے اور راستے تیار کر لئے تھے۔

باڑے میں ایک طرف ایک تنگ دروازہ تھا جس میں سے صرف ایک ہاتھی گذر سکتا تھا۔ لوگ جنگلی ہاتھیوں کو اس طرف دھکیل لائے۔ دروازے کو دیکھ کر وہ سب کے سب اُدھر کو اس خیال سے جھپٹے کہ وہاں سے بچ نکلنے کے لئے راستہ مل جائے گا۔ لیکن اس راستے پر آدمیوں کا کڑا پہرہ تھا۔ جب ایک ہاتھی اس دروازے سے گذر گیا تو وہ دروازہ بند کر دیا گیا اور اس طرح وہ ہاتھی بقیہ ہاتھیوں سے علیحدہ ہو گیا۔ لیکن جو ہاتھی باڑے سے

باہر نکل آیا تھا وہ آزاد تو نہ ہو سکا بلکہ ایک اور باڑے میں پھنس گیا۔ اس کے بعد پالتو ہاتھی اور ماہر مہاوت آئے۔ انہوں نے اس جنگلی ہاتھی کو رسیوں میں جکڑ لیا اور اس جگہ پہنچا دیا جہاں ہاتھی سدھائے جاتے تھے۔

ایک ایک کر کے انتیس ۲۹ کے انتیس ہاتھی پکڑ کر سدھانے کی جگہ پر لائے گئے جو کہ جنگل کے ایک سرے پر تھا اور وہاں ان کو کئی مہینے تک یہ سکھایا گیا کہ وہ آدمیوں کے آرام اور فائدے کے لئے کس طرح کام کریں۔

وہ بھورے اور زبردست دانتوں والا ہاتھی جوان سب کا سردار تھا اپنے دوستوں کی مدد کرنے سے ناامید نہیں ہوا تھا۔ بار بار وہ باڑے کو واپس جاتا اور اندر داخل ہونے کی کوشش کرتا۔ لیکن وہ اندر نہ جا سکا۔ وہ صرف یہی کر سکا کہ باہر ہی انتظار کرتا اور اپنے دوستوں کو دیکھتا رہتا۔ روزانہ وہ جاتا اور کچھ فاصلے پر کھڑا ہو کر اپنے ساتھیوں پر نظر رکھتا۔ اس نے دیکھا کہ کس طرح ان کو ایک ایک کر کے پکڑ کر باہر لایا گیا۔ جب سب کے سب ہاتھی سدھانے کے مرکز پر پہنچا دیئے گئے تو وہ بھی وہاں گیا۔ وہ آڑ میں کھڑا ہو کر غور سے سب کچھ دیکھتا رہا۔ سدھانے اور سکھانے کے دوران اس کے ساتھیوں کے ساتھ جو کچھ کیا گیا اسے اس نے دیکھا۔

قریب چھ مہینے ہی میں سارے جنگلی ہاتھی سدھا لئے گئے۔ وہ آدمیوں کے دوست ہو گئے اور ان کا حکم ماننے لگے۔ اب وہ اس قابل ہو گئے تھے کہ ان سے جو کچھ کہا جاتا اس کے مطابق کام کرتے۔

اس تمام عرصے میں بڑے دانتوں والا ہاتھی اپنے ساتھیوں کو برابر دیکھتا رہا۔ کئی بار اس نے اپنے ساتھیوں کی

رہائی کے لئے بھی امداد کرنی چاہی ۔ کبھی کبھی اس نے یہ خواہش بھی کی کہ اگر وہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ ہوتا تو کتنا اچھا ہوتا ۔

اب ہاتھی بیچنے کے لئے تیار کرلئے گئے تھے ۔ جن لوگوں نے ہاتھیوں کو پکڑا تھا اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ نیلام کے ذریعہ ان کو بیچا جائے اور اس کے لئے ایک دن مقرر کر دیا گیا ۔

ملک بھر کے سیکڑوں آدمی ہاتھیوں کی خریداری کو آئے ۔ نیلام کے دن لوگ تربیت گاہ کے سامنے کھلے میدان میں جمع ہوگئے ۔ ایک آدمی ایک چبوترے پر کھڑا ہوا اور ہاتھیوں کو نیلام کرنا شروع کیا ۔

ایک ہاتھی کو چبوترے کے سامنے کھلے میدان میں کھڑا کرکے ایک پیڑ کے تنے سے باندھ دیا گیا ۔ خریداروں نے ہاتھی کو بغور دیکھا اور اس کی اچھائیوں اور بُرائیوں کا اندازہ کیا ۔ اس کے بعد نیلام شروع ہوا ۔ شروع میں تو تھوڑے ہی دام لگے ، لیکن آخر میں ہاتھی کو ایک بڑی اور معقول رقم میں فروخت کر دیا گیا ۔ اس کے بعد دوسرا ہاتھی نکال کر لایا گیا اور اسی طریقے سے فروخت کیا گیا ۔

ایک ایک کرکے سارے ہاتھی بِک گئے ۔ اب کوئی بھی ہاتھی نیلام کئے جانے کے واسطے باقی نہ تھا ۔

اسی وقت تمام پبلک کو اچنبھے میں ڈالتا ہوا ایک اور بڑا سا ہاتھی جس کے دانت بہت زبردست تھے اور باہر کو نکلے ہوئے تھے آگے بڑھ کر پیڑ کے تنے کے پاس ایسے کھڑا ہوگیا گویا کہ وہ بھی نیلام ہونے والا ہی ہے ۔ کسی کو پتہ بھی نہ تھا کہ وہ آیا کہاں سے ۔ تمام آدمی ایک دوسرے کی شکل دیکھنے لگے اور اس نئے آئے ہوئے ہاتھی کے بارے میں سوالات کرنے لگے ۔

یہ بڑے دانتوں والا ہاتھی اس غول کا سردار تھا ۔ اگرچہ وہ اس وقت سے ان سے علیحدہ ہوگیا تھا جب وہ باڑے میں گھر گئے تھے لیکن اس نے ان سے اپنی دلچسپی نہیں چھوڑی تھی ۔ روزانہ وہ کچھ فاصلے سے ان گرفتار ہاتھیوں کو
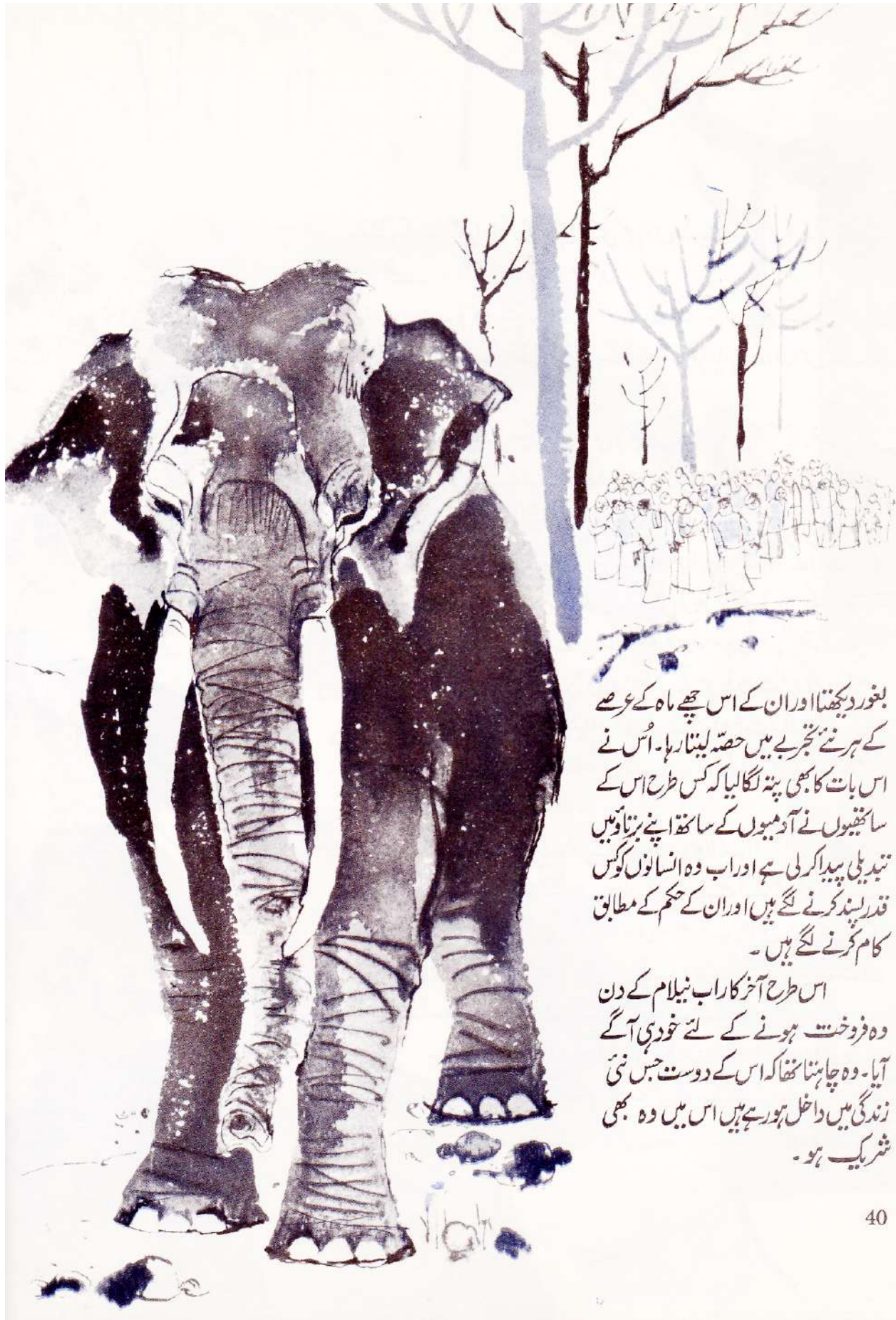
بغور دیکھتا اور ان کے اس چھے ماہ کے عرصے کے ہر نئے تجربے میں حصہ لیتا رہا۔ اُس نے اس بات کا بھی پتہ لگا لیا کہ کس طرح اس کے ساتھیوں نے آدمیوں کے ساتھ اپنے برتاؤ میں تبدیلی پیدا کر لی ہے اور اب وہ انسانوں کو کس قدر پسند کرنے لگے ہیں اور ان کے حکم کے مطابق کام کرنے لگے ہیں۔

اس طرح آخر کار اب نیلام کے دن وہ فروخت ہونے کے لئے خود ہی آگے آیا۔ وہ چاہتا تھا کہ اس کے دوست جس نئی زندگی میں داخل ہو رہے ہیں اس میں وہ بھی شریک ہو۔

پپّو

پپّو ایک بڑا حوصلہ مند کاشت کار تھا۔ جنگلات کی کچھ زمین کاشت کاری کے لئے صاف کی گئی تھی جہاں اس نے ایک فارم کی بنیاد ڈالی۔ اس جگہ پر جنگلی جانور اب بھی کبھی کبھی آتے رہتے تھے، اس لئے وہاں رہنا بڑا خطرناک تھا۔ پپّو نے اپنا گھر ایک اونچے پیڑ پر بنایا تھا وہاں وہ اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتا تھا۔ ہر رات وہ اپنے جانوروں کو اِدھر اُدھر گھومتے ہوئے دیکھتا تھا۔ ان جنگلی جانوروں میں ایک مست ہاتھی تھا، جس سے پپّو سب سے زیادہ ڈرتا تھا۔ وہ بہت بڑا تھا اور اس کے دانت بہت بڑے تھے اور وہ اکیلا ہی گھوما کرتا تھا۔ پپّو نے سُن رکھا تھا کہ اس ہاتھی نے کس طرح فصلوں کو برباد کر دیا ہے اور لوگوں پر حملہ کیا ہے۔

ایک رات کو جبکہ پپّو اپنے چھوٹے سے گھر میں تھا اس کو کچھ شور سُنائی دیا۔ اس نے باہر کی طرف دیکھا تو وہ مست ہاتھی پیڑ کی جڑ کے ساتھ ہی کھڑا ہوا نظر آیا۔ پپّو خوف سے کانپ اٹھا۔ اس نے سوچا کہ ہاتھی پیڑ کو گرا گرا کر اسے مار ڈالے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ کسی طرح ہاتھی کو بھگا دے، لیکن کوئی صورت سمجھ میں نہیں آئی۔ یکایک ایک نئی ترکیب ذہن میں آئی۔ اُس نے لکڑی کے دو ٹکڑے اٹھائے اور دو مشعلیں تیار کیں۔ اس کے بعد اُس نے ایک رسّی لی اور ایک ایک مشعل اس کے دونوں سِروں سے باندھ دی۔ تب اس نے مشعلوں پر تیل ڈال کر روشن کر دیا۔ اس نے غور سے نیچے کی طرف دیکھا۔ ہاتھی اسی جگہ موجود تھا۔ اس نے وہ مشعلیں اس انداز سے نیچے گرائیں کہ رسّی تو ہاتھی کی پیٹھ پر رہی اور اس کے دونوں طرف لٹکی ہوئی مشعلیں جلتی رہیں۔

ہاتھی کو بڑا ڈر لگا اور اُس نے ان مشعلوں کو گرانے کی کوشش کی لیکن وہ تو اس کے جسم سے لپٹی ہوئی رسّی سے بندھی ہوئی تھیں اور ہاتھی کو جلا رہی تھیں۔ جلد ہی ہاتھی کی تکلیف بہت بڑھ گئی۔ وہ درد کی شدّت سے چیخنے لگا اور اِدھر اُدھر دوڑنے لگا۔ رسّی اس کی کمر کے دونوں طرف تھی اور مشعلیں برابر جل رہی تھیں۔ اسی حالت میں وہ جنگل میں غائب ہوگیا۔

بپّوا اپنی اس چال پر بہت خوش ہوا۔ اس نے بڑی آسانی سے جنگلی ہاتھی کو وہاں سے بھگا دیا تھا۔ وہ کس قدر ہوشیار اور چالاک ہے۔ اس نے سوچا کہ میں نے اُس مست ہاتھی کو خوب سبق دیا ہے۔ اب وہ دوبارہ اُدھر آنے کی ہمت نہیں کرے گا۔

گھنے جنگل میں ایک غار کے اندر ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ ایک جنگلی قبیلے سے تعلق رکھتے تھے، جسے ناڈی کہتے ہیں۔ ایک دن صبح صبح جب مرد اپنے غار سے نکل کر باہر آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا ہاتھی گھاس پر پڑا ہوا ہے اور زور زور سے سانس لے رہا ہے۔ وہ یہ جاننے کے لئے کہ آخر کیا ہوا ہے اس کے قریب گیا۔ اس نے دیکھا کہ ہاتھی کا جسم دونوں طرف سے بڑی جل گیا ہے اور وہ مرنے ہی والا ہے۔

اس ناڈی نے اپنی بیوی کو زور سے آواز دی "پپّی۔ اِدھر تو آؤ۔ جلد آؤ۔"

اس کی بیوی غار سے نکل کر دوڑتی ہوئی آئی۔ اس نے اپنی بیوی کو ہاتھی کی حالت بتائی اور کہا کہ "تم فوراً جاؤ اور کچھ جڑی بُوٹیاں لے آؤ۔"

اس کی بیوی گئی اور اپنے پتی کی بتائی ہوئی جڑی بُوٹیاں لے آئی۔ پھر دونوں نے مل کر ان کا مرہم تیار کیا۔ اس کے بعد ناڈی نے جلے ہوئے حصّوں پر دھیرے دھیرے مرہم لگایا۔

شام کے وقت ناڈی اور اس کی بیوی ہاتھی کو دیکھنے گئے۔ اس کی حالت کچھ بہتر تھی۔ اب وہ سانس بھی ذرا آسانی سے لے رہا تھا اور سونڈ ہلا کر مُنھ کھولے ہوئے تھا۔

آدمی نے چلّا کر کہا۔ "پپّی۔ پپّی۔ تھوڑا پانی لاؤ۔"

پپّی گئی اور ایک بڑے سے تونبے میں پانی لے آئی۔ ناڈی نے ہاتھی کے مُنھ میں پانی اُنڈیل دیا۔ ہاتھی سارا پانی پی گیا

لیکن پھر بھی اس کا مُنھ کُھلا رہا۔ وہ بہت پیاسا تھا۔

ناڈی نے کہا۔ "پپّی۔ پپّی۔ اور پانی لاؤ۔"

پپّی گئی اور جلدی ہی اور پانی لے آئی۔ جسے ناڈی نے ہاتھی کو پلا دیا۔ اس طرح پپّی کئی مرتبہ پانی لائی تب کہیں ہاتھی کی پیاس بُجھی۔

اگلے دن جب ناڈی اپنے غار سے باہر آیا اس نے ہاتھی کو کھڑا ہوا پایا۔ لیکن جوں ہی ہاتھی نے ناڈی کو دیکھا وہ فوراً زمین پر لیٹ گیا۔

ناڈی اپنی بیوی سے بولا۔ "پپّی ہاتھی کو ابھی دوا کی اور ضرورت ہے۔"

عورت باہر جاکر کچھ اور جڑی بوٹیاں لے آئی اور ایک بار پھر ان کا مرہم بنا کر ہاتھی کے زخموں پر لگایا۔

اگلے دن ہاتھی تھوڑا بہت چلنے لگا۔ کچھ دور گیا بھی لیکن دوا کے لئے واپس لوٹ آیا۔ پتی پتنی کو کئی دن تک اس ہاتھی کی دیکھ بھال کرنی پڑی۔ جب وہ بالکل اچھا ہو گیا تو اس کے بعد ہاتھی وہاں سے چلا گیا اور پھر نہ لوٹا۔

اسی درمیان میں پپّو نے پیڑ سے نیچے اپنے لئے دوسرا گھر بنا لیا اور اسی میں رہنے لگا۔ اس کی فصلیں اچھی تیار ہوئیں اور اس نے خوب روپیہ کمایا۔ اس کی ایک بیوی تھی جسے وہ اپنے نئے گھر میں لے آیا اور وہ دونوں بڑی خوشی سے وہاں رہنے لگے۔

ایک رات کو پپّو نے ایک تیز کڑکڑاہٹ کی آواز سنی۔ وہ یہ دیکھنے کو باہر آیا کہ یہ کس کی آواز ہے۔ اس نے دیکھا کہ ایک بڑے ہاتھی نے اس پیڑ کو گرا دیا ہے جس پر اس نے اپنا پہلا گھر بنایا تھا۔ وہ فوراً ہی جان گیا کہ بدمست

ہاتھی واپس آگیا ہے۔ وہ ڈرا کہ ہاتھی اس کے لئے مصیبت بنے گا۔ اس نے طے کیا کہ اس گھر میں ٹھہرنا خطرے سے خالی نہیں۔ اس لئے وہ اور اس کی بیوی پہاڑی کے نیچے اُتر گئے اور وہ رات ایک مہمان خانے میں گذاری۔

اگلے دن صبح کے وقت پیّو کو معلوم ہوا کہ ہاتھی نے اس کی کچھ فصل برباد کر دی ہے۔ وہ سمجھ گیا کہ ہاتھی کے ساتھ جو برتاؤ کیا تھا وہ اسے بھولا نہیں ہے اور اب وہ اس سے بدلہ لینے کو واپس آیا ہے۔ پیّو نے اب محسوس کیا کہ اسے بڑی احتیاط اور ہوشیاری سے رہنا چاہیے تاکہ ہاتھی کو اس پر یا اس کی بیوی پر حملہ کرنے کا موقعہ نہ ملے۔ فوراً ہی اس نے اپنی بیوی کو گاؤں بھیج دیا اور تنہا ہی اپنے مکان میں ٹھہرا رہا تاکہ اس مست ہاتھی پر نظر رکھ سکے۔

اگلی رات کو ہاتھی پھر آیا۔ اس نے پیّو کی کچھ اور فصل کو تباہ کر دیا اور اس کے بعد کسی چیز کی تلاش میں چکّر لگاتا رہا۔ پیّو جان گیا کہ ہاتھی میری ہی فکر میں ہے اور مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے۔ پیّو نے فیصلہ کیا کہ جلد از جلد اس جگہ کو چھوڑ دے۔

اگلے دن صبح کو پیّو نے اپنا سارا مال اسباب باندھ ایک کشتی میں لاد دیا۔ وہ جانے کو تیار تھا اور کشتی میں سوار ہونے ہی والا تھا کہ یکا یک وہ مست ہاتھی وہاں آپہنچا۔ پیّو نے دریا کے اندر چھلانگ لگا دی اور تیر کر دوسری طرف نکل گیا۔ اس طرح اس کی جان بچی۔

ہاتھی پیّو کا تو کچھ بگاڑ نہ سکا لیکن کشتی وہیں تھیں۔ اس نے ایک لات لگائی اور کشتی اُچھل کر ندی میں جاگری۔ ہاتھی نے جب دیکھا کہ کشتی ابھی صحیح سلامت ہے، وہ کشتی کو پانی سے باہر کھینچ لایا اور کنارے پر لا کر اسے کچل ڈالا۔ اس کے بعد وہ واپس چلا گیا۔

پیّو دریا کے اس پار سے ہاتھی کو دیکھتا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ وہ بال بال بچا ہے اس لیے دوبارہ اپنے کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے فارم بیچ دیا اور ہمیشہ کے لیے وہاں سے چلا گیا۔

پیّو بہت دور چلا گیا تھا۔ اس نے ایک چائے کا باغ خریدا اور اپنی بیوی کو لے کر وہیں رہنے لگا۔ وہ خوب کامیاب رہا اور چند سال ہی میں اس نے اپنے لیے اسی باغ میں ایک خوبصورت مکان بنا لیا اور بہت سے ملازم رکھ لیے۔

ایک دن اس کے کچھ دوست اس سے ملنے کو آئے۔ ان کے پاس بندوقیں تھیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ شکار کھیلنا چاہتے ہیں۔ پیّو تیار ہو گیا اور انہیں اپنی جیپ میں سوار کر کے روانہ ہو گیا۔ ابھی وہ مشکل سے ایک میل گئے ہوں گے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا ہاتھی راستہ روکے کھڑا ہے۔ یہ وہی مست ہاتھی تھا اور وہ اس قدر نزدیک تھا کہ وہ اپنی بندوقیں نہ چلا سکے۔ وہ سب کے سب جیپ سے کود کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ لیکن ہاتھی نے پیّو کو اپنی سونڈ میں پکڑ لیا البتہ اور آدمی بچ کر نکل گئے۔ ہاتھی پیّو کو اپنی سونڈ میں پکڑے رہا اور جیپ کو ایک لات مار کر ایک نالے میں گرا دیا۔ اس کے بعد وہ میدان میں آ گیا اور پیّو کو دو چار مرتبہ زمین پر گرا کر مارا، اس کے بعد ہوا میں اُچھال دیا۔ پیّو اپنی زندگی سے قطعی مایوس ہو گیا۔ جب کہ وہ نیچے کو گر رہا تھا اس نے دیکھا کہ ہاتھی اپنا سر اس طرح اٹھائے ہوئے ہے کہ وہ ٹھیک اس کے دانتوں پر گرے گا۔ پیّو نے محسوس کیا کہ اس کا خاتمہ نزدیک آ پہنچا ہے۔ اسے اپنی بیوی کا خیال آیا

اور مرنے سے پہلے رُخصت ہونا چاہتا تھا۔ وہ زور سے چلاّیا۔ "پپّی۔ پپّی۔ خدا حافظ! میں جا رہا ہوں۔"

جونہی ہاتھی نے اُسے پپّی پپّی پکارتے سُنا وہ ذرا پیچھے کو ہٹا اور پپّو کو اپنی سونڈ میں لے لیا اور اسے دھیرے سے زمین پر رکھ کر واپس لوٹ گیا۔ اس کے بعد نہ تو کسی نے اُس ہاتھی کو کبھی دیکھا اور نہ اس کے بارے میں پھر کچھ سنا ہی گیا۔

پپّو کی سمجھ میں بالکل نہیں آیا کہ یہ ہوا کیا۔ اسے بالکل معلوم نہ ہو سکا کہ اس کی جان محض اس کی بیوی کی وجہ سے بچ گئی، جس کا نام اتفاق سے وہی تھا جو ناڈی کی بیوی کا تھا، جس نے اپنے پتی کی مدد سے مست ہاتھی کی جان بچائی تھی۔
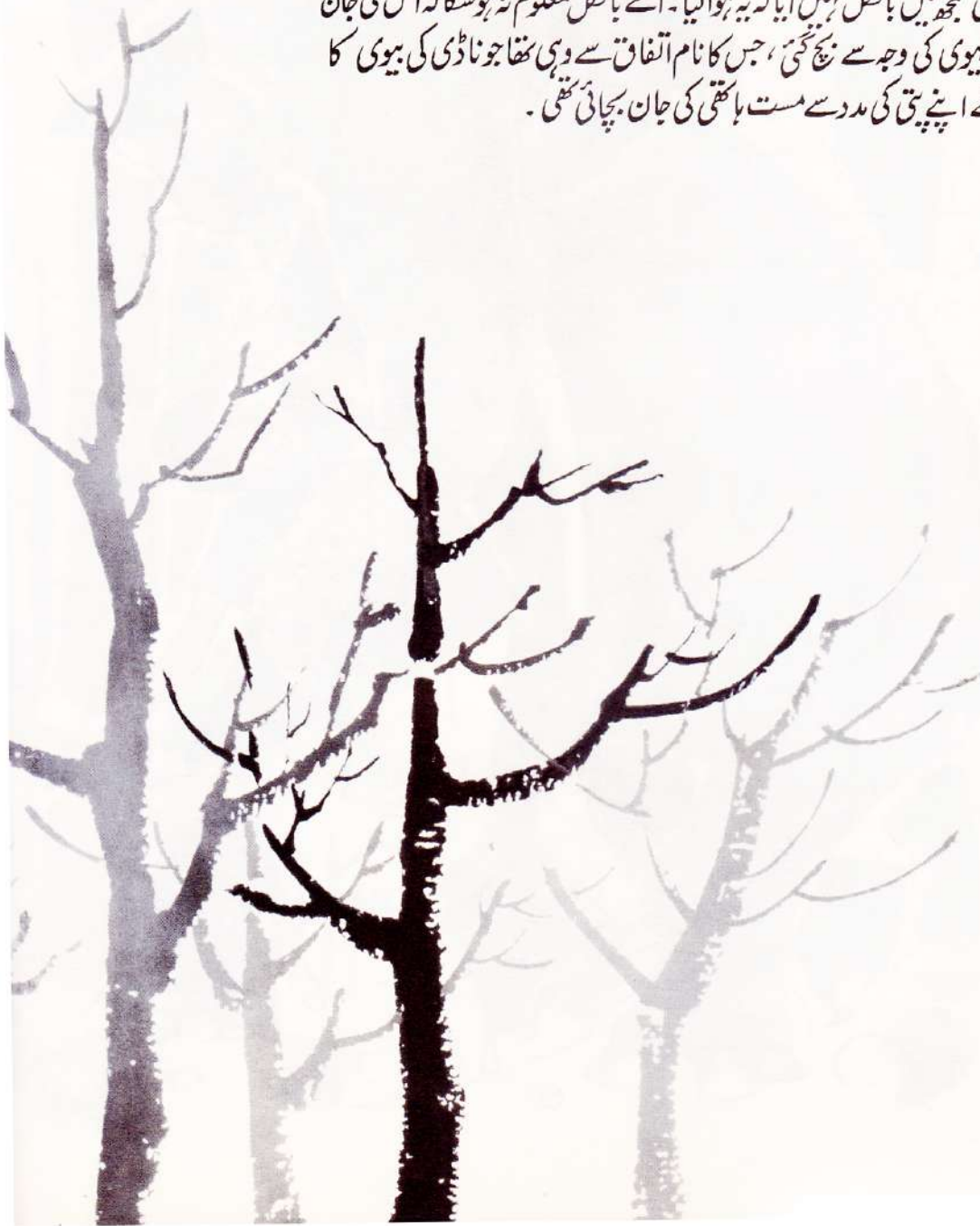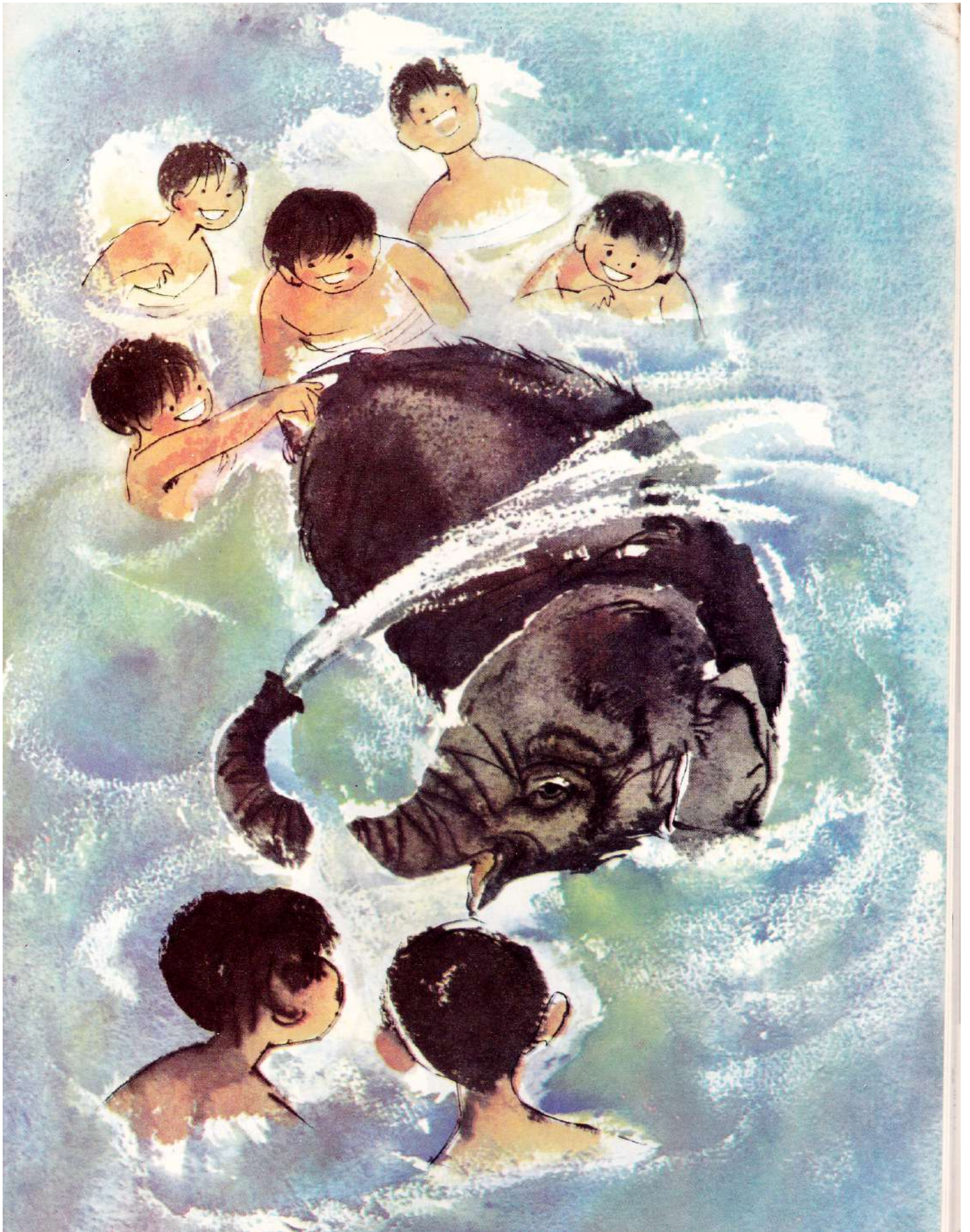
چندو

چندو ایک خوبصورت اور نیک ہاتھی تھا۔ وہ ان جنگلی ہاتھیوں میں سے نہ تھا جن کو سدھایا گیا ہو۔ وہ انسانوں میں پیدا ہوا تھا اور ان ہی کی دیکھ بھال میں اتنا بڑا ہوا تھا۔

اس کی ماں گاؤں کے مندر پر رہتی تھی۔ وہ مندر کی وسیع اراضی میں پیدا ہوا تھا اور وہیں اس کی پرورش بھی ہوئی تھی۔ گاؤں والوں کے بچے اس کے کھیل کے ساتھی تھے۔ وہ اسے پیار کرتے تھے اور وہ انہیں پیار کرتا تھا۔ وہ ان کے ساتھ ہی دوڑتا اور ان ہی سے کھیلا کرتا تھا۔ کبھی کبھی تو بچے گھر سے مٹھائی اور پھل لاتے تھے اور چندو کو بھی دے کر کھاتے اور کبھی کبھی بچے مندر کے تالاب پر جا کر نہاتے اور تیرا کرتے۔ چندو ان کے ساتھ رہتا اور وہ بھی وہیں نہاتا اور تیرتا۔

جیسے جیسے چندو بڑا ہوتا گیا۔ گاؤں کے لوگوں نے دیکھا کہ چندو میں ایک اچھے اور بڑے ہاتھی کی سبھی خوبیاں موجود ہیں، اس لیے انہوں نے اسے بہترین تربیت دینی چاہی۔ انہوں نے ایک تجربہ کار اور ماہر فیلبان کو چُنا اور وہ چندو کو تربیت دینے لگا۔ چندو بڑا ذہین ہاتھی تھا۔ وہ اپنے کام اور سبق جلدی سیکھ گیا۔ اس نے دائیں بائیں اور آگے پیچھے مُڑنا سیکھ لیا۔ اسے بیٹھنا اور کھڑا ہونا بھی آ گیا۔ وہ اپنے استاد کے اشارے پر سب کام کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے یہ بھی سیکھ لیا کہ سلام کس طرح کرنا چاہیئے، رخصت کس طرح ہونا چاہیئے اور لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیئے۔

چندو روز بروز بڑا ہوتا گیا اور اس کے لیے ایک مہاوت رکھ لیا گیا جس کا نام چکو تھا۔ چندو نے کام کرنا سیکھ لیا۔ وہ بھاری سامان اور لکڑی کے بڑے بڑے لٹھوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا اور مندر کے تیوہاروں میں بھی حصّہ لینے لگا۔

چندو خوبصورت ہاتھی تھا۔ ہر شخص اسے پیار کرتا۔ اس کی شہرت دور دور تک پھیل گئی۔ جلوسوں اور تیوہاروں کے سلسلے میں اس کی بڑی مانگ تھی۔

ایک دن وہ ایک مندر کے تیوہار کے سلسلے میں بہت دور گیا۔ وہاں پر اور بھی بہت سے ہاتھی آئے تھے لیکن چندو ہی کو سب سے آگے رکھا گیا کیونکہ وہ ہی ان سب سے زیادہ اچھا تھا۔
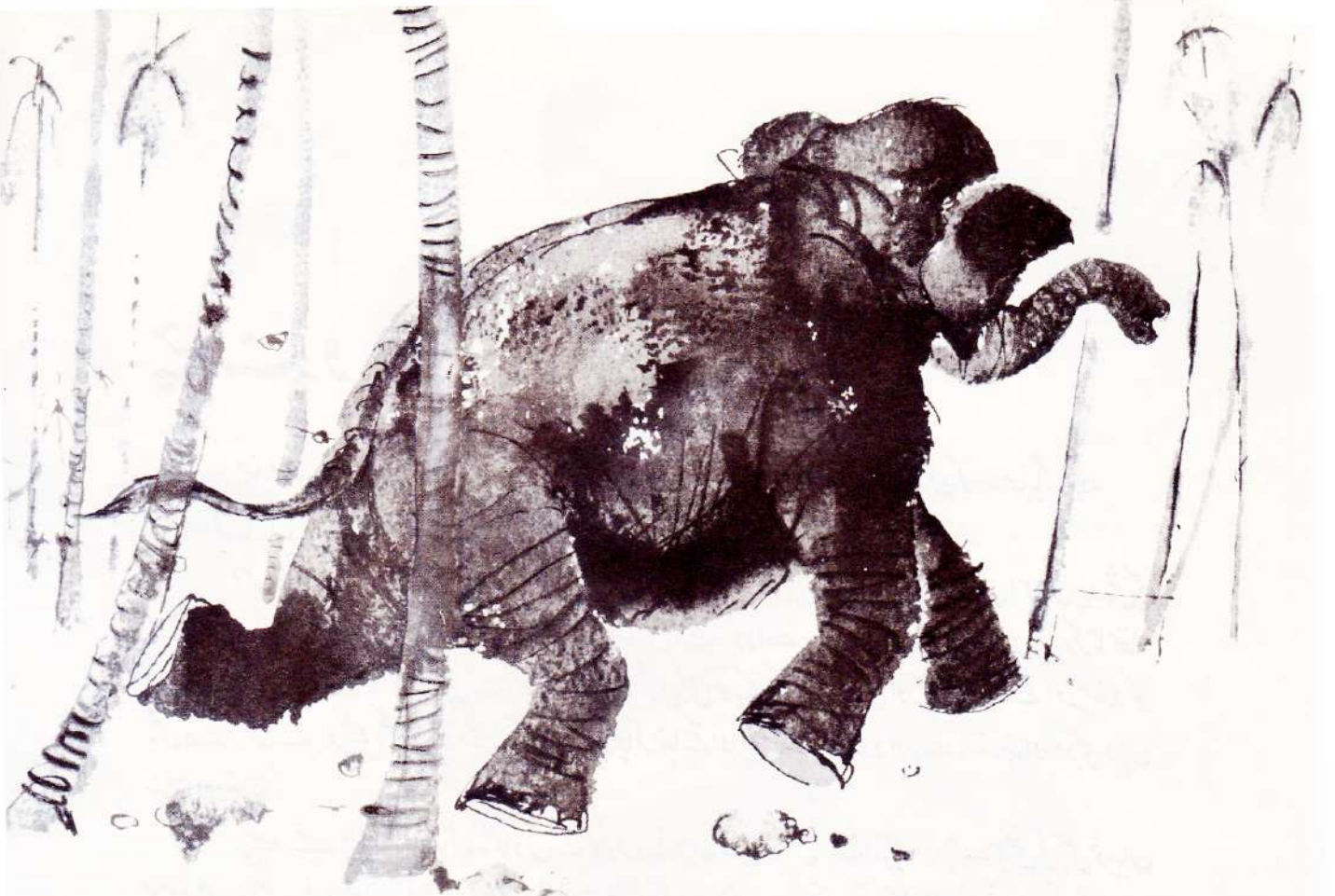
تیوہار ختم ہونے پر چکو اور چندو گھر کو لوٹ رہے تھے ۔ راستے میں چکو کو بڑی بھوک پیاس لگی۔ اُسے ایک دوکان نظر آئی، اس لیے وہ چندو کو ایک آم کے پیڑ کے سائے میں لے آیا۔ اس نے اپنا ڈنڈا چندو کے اگلے پیروں پر ٹیک دیا۔ یہ اس کے لیے حکم تھا کہ وہ وہاں سے نہ ہلے ۔ اس کے بعد چکو دوکان پر گیا۔ وہاں اُسے کچھ پرانے دوست مل گئے اور وہ دیر تک ان کے ساتھ وہاں بیٹھا رہا۔ چندو نے بڑا انتظار کیا لیکن اس کا مہاوت لوٹا ہی نہیں ۔ اُسے بھوک لگی ہوئی تھی اور وہ پیاسا بھی تھا۔ چکو کو چندو کا دھیان نہیں رہا اور ہاتھی کو یہ اچھا نہ لگا۔ اس لیے چندو نے شرارت کی۔ اس نے وہ ڈنڈا نیچے گرا دیا اور سڑک چھوڑ کر ایک طرف چل پڑا۔

جو لوگ اُدھر سے گذر رہے تھے انہیں یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ ایک ہاتھی کسی مہاوت کے بغیر ہی بڑی تیزی سے بڑھا چلا جا رہا ہے ۔ انہوں نے سمجھا کہ ہاتھی پاگل ہے ۔ انہیں بڑا ڈر معلوم ہوا، اس لیے وہ چاہتے تھے کہ اُسے دُور بھگا دیا جائے۔ انہوں نے چندو پر پتھروں اور اینٹوں سے حملہ کر دیا۔ چندو زخمی ہو کر بھاگا۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑے اور پہلے سے زیادہ پتھر پھینکنے لگے ۔

چندو بہت رنجیدہ تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ لوگ اس بُری طرح اس پر حملہ کر دیں گے۔ وہ تو ہمیشہ انسانوں سے محبت کرتا تھا اور ان کے بچّوں کے ساتھ کھیلتا رہتا تھا۔ اس نے کبھی کسی کو نقصان پہنچانا نہیں چاہا۔ اب وہ یہ تمام باتیں لوگوں کو بتانا چاہتا تھا۔ لیکن یہ سمجھ میں نہیں آیا کہ کس طرح بتائے۔ اس خیال سے کہ لوگ اس کے من کی بات جان جائیں وہ ایک بار ان کی طرف دیکھنے کو مُڑا لیکن اس پر پتھروں اور اینٹوں کی اور زیادہ بارش ہونے لگی۔

اپنے بچاؤ کا اس کے پاس ایک ہی راستہ تھا۔ وہ یہ کہ وہاں سے بھاگ جائے۔ اس لیے وہ بھاگا۔ ایک بڑا سا پتھر اس کے سر پہ پڑا اور وہ درد سے تڑپ گیا۔ اس نے سلام کرنے کو اپنی سونڈ اوپر کو اٹھائی گویا کہ وہ خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑنے کو تیار ہے لیکن کوئی بھی اس کے دل کی بات کو سمجھ نہ سکا۔ لوگ اس پر پتھر پھینکتے ہی رہے اور وہ زیادہ تیز دوڑنے پر مجبور ہو گیا۔ وہ سڑک چھوڑ کر کھیتوں میں ہو لیا۔ درختوں کے درمیان بہت سے گھر تھے۔ ان گھروں کے لوگ ہاتھی کو آتا دیکھ کر ڈر کر بھاگے۔ لیکن چندو نے نہ تو کسی پر حملہ کیا اور نہ ہی کوئی چیز برباد کی۔ وہ تو صرف درختوں

اور مکانوں کے درمیان سے گذر کر بچ نکلنا چاہتا تھا۔ پھر بھی لوگ اس کا پیچھا کرتے رہے اور وہ ان سے اپنا پیچھا نہ چھڑا سکا۔

بہت جلد وہ ایک چھوٹے سے مکان پر پہنچا۔ گھر والے باہر کام پر گئے ہوئے تھے۔ صرف دو بچے مکان میں تھے۔ وہ دونوں صحن میں تھے۔ جب چندو وہاں سے گذرا تو ہاتھی کو دیکھتے ہی بڑا بچہ بھاگ گیا۔ چھوٹا بچہ ایک

چٹائی پر لیٹا ہوا گہری نیند سو رہا تھا۔ چندو نے بچّے کو دیکھا اور تیزی سے جاکر اس کے پاس کھڑا ہوگیا۔ لوگ یہ سوچ کر بہت پریشان ہوئے کہ وہ بچّے کو کچل کر مار ڈالے گا۔ لیکن چندو نے اس قسم کی کوئی بات نہیں کی۔ وہ صرف بچّے اور مکان کے درمیان کھڑا رہا۔ وہ جانتا تھا کہ اس جگہ پر وہ بالکل محفوظ ہے کیوں کہ ایسی حالت میں کوئی بھی اس پر پتھر پھینکنے کی ہمت نہیں کرے گا، ورنہ بچّے کو چوٹ لگ جانے کا خطرہ ہے۔ لوگ اس پریشانی میں کچھ فاصلے پر کھڑے ہو کر انتظار کرنے لگے کہ اب ہاتھی کیا کرتا ہے۔

چندو اسی جگہ کھڑا کھڑا لوگوں کو تاکتا رہا۔ وہ اب بھی ڈر رہا تھا کہ شاید لوگ اس پر حملہ کرنے کے لیے کوئی اور طریقہ اختیار کریں۔ وہ سنجیدہ نظر آتا تھا اور بہت رنجیدہ تھا۔ وہ بڑی فکر میں انتظار کرنے لگا اور سوچتا رہا کہ آئندہ کیا گذرے گی کہ آخر کار اس کا مہاوت دوڑتا ہوا چندو کے پاس آیا۔ چکو کو یہ دیکھ کر بڑا صدمہ ہوا کہ ہاتھی اینٹوں سے بُری طرح زخمی تھا اور اس کے زخموں سے خون بہہ رہا تھا۔

"یہ تم لوگوں نے چندو کے ساتھ کیا کیا؟" وہ لوگوں پر برس پڑا۔ "تم لوگوں نے ایک معصوم ہاتھی پر حملہ کرکے زخمی کیا ہے۔"

مہاوت نے چندو کے بدن پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور کہا "مجھے بڑا افسوس ہے کہ میں تم کو سڑک کے کنارے تنہا چھوڑ کر چلا گیا تھا۔"

"آؤ گھر چلیں۔" اس نے ہاتھی سے کہا۔

لیکن چندو بدستور کھڑا رہا۔ مہاوت نے اس کا کان کھینچ کر بولا۔ "آؤ، آؤ، دیر ہو رہی ہے۔ ہم کو اندھیرا ہونے سے پہلے پہلے گھر پہنچ جانا چاہیے۔"

چندو مہاوت کے پیچھے اس طرح ہولیا گویا وہ نیند میں چل رہا ہو۔ اس نے کسی بات میں کوئی دلچسپی نہیں لی۔ رہ رہ کر وہ راستہ میں رُک جاتا لیکن مہاوت اسے آگے بڑھاتا ہی رہا۔ گھر پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی۔ وہاں چکو نے چندو کے زخموں کی مرہم پٹی کی اور اسے ایک پیڑ سے باندھ دیا۔ مہاوت گیا اور اس نے کھانا پانی وغیرہ رات بھر کے لیے لاکر چندو کے پاس رکھ دیا۔ اس کے بعد وہ چندو کو اکیلا چھوڑ کر چلا گیا۔

اگلے دن صبح کو جب چکو واپس آیا، اس نے دیکھا کہ چندو کو وہ کل رات جس طرح کھڑا ہوا چھوڑ گیا تھا بالکل اسی حالت میں وہ اب بھی کھڑا ہے۔ تمام رات نہ تو وہ سویا اور نہ ہی کچھ کھایا۔ چکو سمجھ گیا کہ لوگوں نے ہاتھی کے ساتھ جو بُرا برتاؤ کیا ہے، اس کی وجہ سے وہ بہت رنجیدہ ہے۔

"آؤ اور نہالو چندو!" اس نے کہا۔" اس کے بعد تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی۔"

چندو چکو کے ساتھ ندی پر گیا اور غسل کیا۔ لیکن چندو کا ذہن کہیں اور ہی تھا۔ وہ بلا حیل و حجت مہاوت کے حکم کی تعمیل کرتا رہا۔

ساری رات اور تمام دن چندو نے نہ تو کھانا کھایا اور نہ پانی ہی پیا۔ وہ بڑی بے پروائی سے کھڑا رہا۔ چکو کو بڑا افسوس تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ چندو کو معمول پر کیسے لائے۔ اس نے مندر کے آدمیوں سے دریافت کیا۔ سب کے سب چندو کو دیکھنے آئے۔ بڑے پیارے پیارے ناموں سے لوگ اُسے پکارنے لگے اور گنّے، کیلے اور ناریل کھانے کو دیے۔ چندو ہمیشہ سے ان سب چیزوں کو پسند کرتا تھا لیکن اب ان کی طرف دیکھتا بھی نہ تھا۔ کوئی کچھ بھی کہتا چندو سنتا ہی نہ تھا۔ لوگوں کو ڈر لگا کہ ہاتھی زیادہ بیمار نہ ہو جائے اور کہیں مر نہ جائے۔ سب کے سب چاہتے تھے کہ وہ جلد اچھا ہو جائے۔ لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کیا جائے۔

چندو کے بیمار ہونے کی خبر سارے گاؤں میں پھیل گئی۔ یہ خبر سن کر ہر ایک کو رنج ہوا۔ بچّے بہت رنجیدہ تھے اور ان میں سے کچھ تو رونے بھی لگے۔ وہ سب چندو کو دیکھنے آئے۔ وہ مٹھائی اور پھل ساتھ لائے۔ وہ اس کو چاروں طرف سے گھیر کر کھڑے ہو گئے اور اسے پھل اور مٹھائی پیش کرنے لگے۔

چندو نے بچّوں کی طرف دھیان نہ دیا۔ وہ آنکھیں بند کیے خاموش کھڑا تھا۔ لیکن بچّوں کی تعداد بڑھتی گئی اور ان میں سے کچھ نے گانا اور ناچنا بھی شروع کر دیا۔

"چندو۔ چندو ہم تم سے پیار کرتے ہیں چندو!" بچّوں نے گانا گایا۔

دوبارہ بچّوں نے چندو کو مٹھائیاں پیش کیں۔

"تمہیں مٹھائی کھانی ہو گی۔" انہوں نے کہا۔ "ہمیں معلوم ہے کہ مٹھائی تم کو کتنی اچھی لگتی ہے۔"

چندو نے بچّوں کی آواز سنی اور آنکھیں کھول دیں۔ وہ بڑے غور سے بچّوں کو اپنے ارد گرد ناچتے ہوئے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد ان کے ساتھ ناچنے کو اس کا بھی جی چاہا۔ مہاوت نے یہ بات محسوس کر لی اور دھیرے سے اس کے پیر کی زنجیر کھول دی۔ چندو آگے بڑھ کر بچّوں کے ساتھ ناچ میں شریک ہو گیا۔

اس کے بعد خوب کھیل تماشا ہوا۔ اب جو کچھ مٹھائی، پھل، گنّے وغیرہ پیش کرتے ہاتھی اسے لے لیتا۔ کوئی ایک بالٹی دودھ لے آیا، ایک بچّے نے اسے چندو کو پیش کیا۔ وہ آہستہ آہستہ پورا دودھ پی گیا۔ اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی اور چندو اپنی پہلی حالت پر واپس آگیا۔